باغ عجیب حصہ دوم

مرتبہ

علیاحضرت نواب

سلطان جہاں بیگم صاحبہ

تاج ہند۔ جی، سی، ایس، آئی، و

جی سی، آئی، ای، و جی، بی، ای

فرماں روائے بھوپال دام اقبالہا

۱۹۲۱ء

تم گلاب کی پتی کا لباس پہن لو"۔

ان بچوں نے مثل امتیاز کے گلاب کا لباس پہنا اور اُس کے ساتھ ہوے۔ یہ پیچ در پیچ راہ سے اِن کو باغ عجیب میں لے گیا بچوں کو باغ کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی یہ باغ تمام پھولوں سے بھرا ہوا تھا جیسا ہم پہلے لکھ چکے ہیں موسمی اور غیر موسمی پھول سب موجود تھے۔

امتیاز نے کہا:-

"آؤ میں تم کو اپنی پیاری جگہ لے چلوں جو کہ فلاکس کی کیاری ہے اپنے گھر میں بھی میں نے کیاریوں میں پھول لگاے ہیں اور وہ مجھ سے باتیں کرتے ہیں اور میں اُن کی باتوں کو خوب سمجھتا ہوں۔ اس باغ عجیب میں یہ ندرت ہے کہ یہاں جو بچے اُس کے قانون کے مطابق گلاب کا لباس پہن کر آتے ہیں۔ وہ درختوں اور پھولوں کی باتوں کو سمجھنے لگتے ہیں پھر اونکو ایسا ملکہ ہو جاتا ھے کہ ہر جگہ نباتات کی گفتگو اُن کی سمجھ میں آجاتی ہے۔ چوں کہ میں اس باغ میں پہلے آچکا ہوں۔ اس لئے میرے گھر میں جو پھولدار درخت ہیں اُن کی گفتگو کو سمجھ سکتا ہوں۔

ان بچوں کے ساتھ دو چار لڑکیاں بھی تھیں۔ اُن میں سے ایک جس کا نام فہمیدہ تھا وہ امتیاز کی باتوں کو غور سے سُن رہی تھی اُس نے یہ گفتگو سن کر کہا کہ:-

"کیا اس باغ کے پھولوں کی باتیں ہماری سمجھ میں آجائیں گی اور کیا پھر ہم بھی ایسے ہو جائیں گے کہ اپنے گھروں کے پھولوں کی باتیں سمجھ سکیں؟"

امتیاز نے کہا کہ:-

"مجھ کو تو امید ہے کہ جیسا کہ میں سمجھنے لگا تم سب بھی ویسے ہی سمجھنے لگو گے"

غرض۔ بعد اس گفت و شنید کے یہ فلاکس کی کیاری کی جانب چلے۔ جب قریب کیاری کے پہونچے تو اُس کے سب سے بڑے پھول کے پودے نے کہا

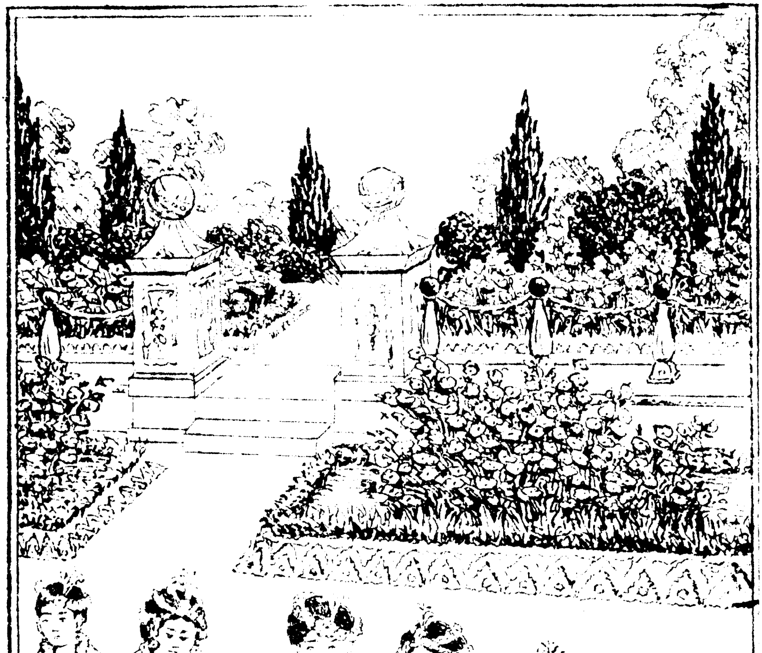
"اے بچو آج تم کیسے یہاں آئے"

سب بچوں نے کہا کہ:-

"آج تعطیل کا روز ہے اس لئے ہم آئے ہیں"

فہمیدہ نے کہا:-

"آپ کوئی کہانی ہم کو سنائیں گے"



باغ عجیب کا تحفہ

فلاکس نے کہا۔

"بسر و چشم اے بچو! تم سب بیٹھ جاؤ۔"

اس کے بعد ہوا کا جھوکا آیا۔ اور پھولوں کی پتی میں ایک آواز پیدا ہوئی جیسے کہ اسکول میں حاضری کی گھنٹی بجتی ہے۔ اور بہت سی پدیاں۔ جن کو انگریزی میں "ہمنگ برڈس" کہتے ہیں۔ اپنی چونچوں اور دونوں پنجوں میں جامن، انجیر، انگور اور دوسرے چند پھل اور چند پھولوں کا رس لے کر آئیں۔ بعض چڑیوں کے نزدیک انگور اور بہی وغیرہ کے پتے تھے۔ ہر ایک نے دو دو تین تین پتے بچوں کے روبرو رکھ دئے۔ اور جو چڑیاں میوہ لائی تھیں اُنھوں نے پتوں پر چن دیا۔

فلاکس نے کہا:-

"پہلے تم بسم اللہ کہکر ناشتہ شروع کرو۔ یہ رزق ہے جو رزاق مطلق نے تمہارے واسطے بھیجا ہے۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء اس سے فارغ ہو جاؤ تو پھر میری کہانی اطمینان سے سنو! اول سب سے میں کہانی کہوں گی۔ اس کے بعد ہر پھول ایک ایک کہانی کہے گا اور تمہاری تعطیل کا دن خوشی سے گذر جائے گا۔

بچوں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بسم اللہ کہہ کر میوہ کھانا شروع کیا جب یہ فارغ ہوئے اور اپنے اپنے منہ کو رومال سے صاف کر رہے تھے تو اُسی فلاکس کے پھول نے کہا کہ:۔

"کیا اب تم سننے کو طیار ہو"

بچے سنبھل کر بیٹھ گئے۔ اور فلاکس نے قصہ شروع کیا:۔





کہانی فلاکس کی زبانی

جاڑوں کا موسم تھا۔ دن چھوٹے اور راتیں بڑی ہوگئیں تھیں۔ جب کہ چار بیج اپنے اپنے درختوں سے زمین پر ایک لین میں گرے۔ ایک چیڑیل کے درخت کا تھا۔ دوسرا جھربیری کا۔ تیسرا نیندو کا۔ چوتھا مٹر کا۔ یہ مٹر کا بیج اتفاقاً گر گیا تھا۔ جب کہ کسان اس کا درخت توڑ کر لئے جاتا تھا۔ جب صبح قریب ہوئی تو یہ چاروں بیج آپس میں باتیں کرنے لگے۔ تیندوں نے کہا۔

کس قدر جاڑا ہے:۔

بیر نے جواب دیا۔

"اُف! اُف! بہت سردی ہے لیکن جب تم کو عادت ہو جائیگی تو اس قدر سردی نہین لگے گی۔ تم ابھی نووارد ہو۔ اس لئے تم کو تدبیر نہین آتی کہ کیسے اپنے کو گرم رکھو"

تیندو نے کہا۔

"مین تو ابھی اپنی پالنے سے نکلا ہون۔ اگر تم بھی ایسے ہی نرم گرم بستر مین رہتے تو تم کو معلوم ہوتا کہ گھر چھوڑ کر ایسی لاچارگی اور بیچارگی کی حالت مین میدان میں پڑے رہنے سے کیسی تکلیف ہوتی ہے۔ مین تو گیلی گھانس میں پڑا ہوا ہوں"

یہ کہہ کر تیندو نے ایک کپکپی لی اور بیر کو اس کی ترش زبانی پر بہت افسوس ہوا۔ لیکن سنبھل کر بولا۔

"خیر بھائی تھوڑا صبر کرو۔ اب آفتاب نکلا آتا ہے تو تم گرم ہو جاؤگے"

تیندو نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہا کہ:۔

"کیا اچھا ہو جو آفتاب جلد نکل آئے۔ اور مین گرم ہو جاؤں"

بیر نے کہا:-

"آفتاب اپنے وقت سے نکلے گا۔ خدا کے قانون میں تمہاری وجہ سے
کوئی تغیر نہ ہوگا۔ لیکن تم کو صبر و استقلال سے کام لینا چاہیے"

چڑیل کے بیج نے کروٹ بدل کر پوچھا:-

میاں بیر!

کیا تم بہت دن سے یہاں پڑے ہوئے ہو؟"

بیر نے کہا:-

ہاں۔ میں تو بہت دن سے یہاں ہوں اور میرے بہت سے
بھائی بہن بھی یہیں ہیں"

چڑیل کے تخم نے جو جلدی جلدی اپنی سرگزشت کہنا چاہتا تھا کہا:-

"میں تو بہت روز سے چاہتا تھا کہ یہاں سے اڑ کر کہیں اور اپنا گھر
بناؤں مگر میری ماں مجھ کو منع کرتی تھی کہ تم ابھی پختہ نہیں ہوئے ہو
جب تم پختہ ہو جاؤ گے تو ہوا تم کو خود اڑا کرلے جائے گی۔ خدا خدا کرکے
آج ہوا چلی اور اس نے مجھ کو اپنے گھر سے اڑایا لیکن ایسی کم ہوا تھی
کہ بجائے اس کے کہ میں دور جاتا اپنے گھر کے قریب گر گیا۔

تینہ و بولا :-

" دو چا کر تم کیا کرتے "

حالانکہ یہ سردی سے کانپ رہا تھا مگر بیر کی گفتگو سے اپنے دل کو مضبوط کر لیا تھا۔

چڑیل کے تخم نے جواب دیا :-

" میں کیا کروں گا ذرا ہوا تیز ہو جائے تو میں اپنے پیروں سے جو خدا نے

مجھے چڑیوں کی طرح دیے ہیں اُڑ کر چلا جاؤں گا اور کہیں دور اپنا گھر

بناؤں گا۔ دیکھو کیسے میرے خوبصورت پر ہیں "

اتنے میں ہلکی ہلکی ہوا آئی۔ اور چڑیل کا تخم آہستہ آہستہ لوٹتا ہوا تھوڑی

دور چلا گیا۔ اور وہاں سے بولا :-

" میری ماں نے مجھ سے کہا تھا کہ تم بھی مجھ جیسے بڑے درخت ہو جاؤ گے

اور اپنے خاندان کی ایسی ہی پرورش کرو گے۔ بہت سے مسافر

تمھارے سایہ میں بیٹھ کر آرام پائیں گے اور دنیا میں تم بہت سے

کاموں میں کارآمد ہو گے جو ہماری پیدائش کا مقصد ہے "

یہ الفاظ اُس کی زبان سے نکلے ہی تھے کہ ہوا کا ایک زور کا جھوکا آیا اور

چڑیل کا تخم آسمان کی جانب بلند ہو کر اوڑتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اپنے

جلیسوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوگیا۔ اور اس کے ساتھ ہی آفتاب عالم تاب کی جلوہ افروزی کا وقت آگیا۔ اور اس کی شعاعوں نے سارے جہان کو خبردار کردیا۔

بیر نے تیندوے سے کہا :-

"لو اب تو خوش ہوے"

تیندوے نے کہا کہ :-

"اب تو ذرا گرمی ہوگئی"

وہ مٹر جو اتفاقیہ کسان کی ٹوکری سے گر گیا تھا۔ اُس کی آنکھ کھلی اور کہنے لگا :-

"اوہو آفتاب نکل آیا"

تیندو بولا :-

"اگر میری ساخت بھی چڑیل کے تخم جیسی ہوتی تو میں بھی اُڑ کر چلا جاتا۔ اور جیسے وہ دنیا کو دیکھے گا میں بھی دیکھتا"

بیر بولا :-

"ایسے ہی میری نسبت خیال کرو میں بالکل پک گیا ہوں کاش

کوئی چڑیا مجھ کو اُٹھا کر لیجائے تاکہ میں کہیں اپنا وطن بناؤں ''

یہ کلمہ ختم نہیں ہوا تھا کہ ایک لڑکا آیا اور اُس نے اُس کو اُٹھا کر اپنے منھ میں رکھ لیا اور چلتا ہوا۔

تیندو بولا کہ :۔

''مجھ کو تعجب ہے کہ بیر نے یہ خواہش کیوں کی تھی ''

مٹر تو اپنی نیند میں بھرا ہوا تھا۔ اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور تیندو تنہا گھبرا کر کہنے لگا:

''کاش کہ میں تیندو نہ ہوا ہوتا۔ نہ تو میرے پیر ہیں۔ کہ ہوا مجھ کو لیجائے اور نہ مجھ میں ایسا مزا ہے کہ لوگ شوق سے کھائیں۔ اور نہ میری آنکھوں میں مٹر کی طرح نیند ہے۔ بھوک مجھے ستا رہی ہے اور بھیگی گھاس پر پڑا ہوا ہوں۔ ہر ایک چیز جو میرے واسطے ہے بد تر ہی بد تر ہے۔ کیا بد قسمتی ہے کہ میری ماں نے نہ میرے پر لگائے نہ کھانے کو ناشتہ دیا۔ اور گھر سے نکال دیا۔ اب میں یہاں پڑا پڑا گھبرا رہا ہوں اور اپنی قسمت کو رو رہا ہوں کس قدر مجھ کو بھوک لگی ہے ''

مٹر بولا :۔

"کیا تم نے بک بک لگائی ہے۔ کیوں ناشکری کر رہے ہو تمہارا ناشتہ تمہارے ساتھ ہے۔ جو گودا اور چھلکا ہے یہی تمہاری خوراک ہے۔ کیوں اپنی ماں کی ناشکری کرتے ہو۔ اپنے اس ناشتہ پر تم مدتوں زندہ رہ سکتے ہو۔ جیسا کہ میں زندہ رہ سکتا ہوں"

تب یکایک تیندو نے اپنے ذخیرے کی طرف نظر کی اور کہنے لگا:۔

"ہاں تو کیا یہ کھانا ہے؟"

اور پھر اُس نے اُس میں سے کھانا شروع کیا اب اُس میں گرمی آئی اور کہنے لگا:۔

"کہاں سے یہ کھانا یہاں آگیا؟"

مٹر نے کہا:۔

"کہاں سے آگیا تمہاری ماں نے تمہارے واسطے تمام گرمی بھر اس کو تیار کیا تھا تاکہ تم جب گھر سے علیحدہ ہو تو اپنا توشہ اپنے ساتھ رکھو تاکہ تم کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو"

تیندو نے کہا کہ:۔

"افسوس میں خواہ مخواہ بڑبڑاتا تھا کہ مجھ کو میری ماں نے یہ نہیں دیا

وہ نہیں دیا۔ کاش کہ میں مثل چڑیل کے تخم کے ہوتا۔ کاش کہ مثل بیروں کے رسیلا ہوتا"

مٹر نے کہا:۔

"ہر ایک والدین اپنے بچوں کے واسطے اسباب زندگی مہیا کر دیتے ہیں۔ اور ان کی پرورش کے واسطے مختلف قسم کا سامان بہم پہونچاتے ہیں۔ پھولوں کی ماں۔ جانوروں کی ماں۔ چرندوں پرندوں۔ اور انسانوں کی ماں۔

اب میں تم سے زیادہ باتیں کرنا نہیں چاہتا۔ تاکہ میری اپنی پرورش میں خلل نہ پیدا ہو۔ مجھ کو اپنے بڑے ہونے کی فکر کرنا چاہیے۔ تاکہ میں بھی اپنی ماں کے پہلو میں پھلوں۔ پھولوں"

تیندو نے کہا:۔

"مجھ کو بھی اپنی فکر کرنا چاہیے تاکہ میں بھی اپنی ماں کی طرح ہو جاؤں"

غرض یہ کہہ کے تیندوا اپنی فکر میں مستغرق ہو گیا اور اپنے گودے سے قوت پا کر چھلکے میں ایک چھید کر زمین میں جڑ پکڑی اور گرمیوں میں سرخ سرخ پتے نمودار ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ بڑا درخت ہو گیا۔

یہ قصہ سنکر بچے وہاں سے چلے اور انتیا زان کو پتونیا کی کیاری کے نزدیک لے گیا :-





کہانی پٹونیا کی زبانی

پٹونیا نے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کا کہانی سننے کا شوق جب اس کو معلوم ہوا تو اس نے کہا :-

"بسم اللہ سنئے"

شپ! شپ!! ایک آدمی آیا۔ جہاں چند درخت مہندی کی ٹٹی کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ اور ایک گلاب کا درخت تھا۔ بانس کا کنج تھا اور تھوہر کی جھاڑی تھی۔ اُس کو بانسوں نے دیکھ کر کہا :-

"افسوس ہے!"

تھور نے کہا:-

"واقعی افسوس ہے"

گلاب نے کہا کیا ہوا؟ دونوں نے کہا کہ:-

"دیکھو وہ آدمی قریب چلا آتا ہے"

گلاب بھی دیکھ کر پریشان ہوا تھور بولے کہ:-

"اب کیا ہوگا؟"

بانسوں نے جواب دیا کہ:-

"ہر سال یہ ہم میں سے کاٹ کر لیتا ہے"

گلاب نے کہا:-

"اب تو بہت ہی نزدیک آگیا"

یہ تینوں بہت ہی گھبرائے۔ تھور اور گلاب اپنے کانٹے چھپانے لگے لیکن انسان نے قینچی نکال کر اُن کے کانٹوں کو کاٹنا شروع کیا۔ تاکہ بالکل صاف ہی کر دے۔ جب جدید شاخ نکلے گی اور کانٹے ہوں گے پھر کاٹ دیا جائے گا۔ اس وقت تو انسان اس کی تکلیف سے بچیں گے بانس نے

سوال کیا کہ :-

"ہمارے بڑھنے سے فائدہ ہی کیا ہے۔ جبکہ ہم ہر سال کاٹے جاتے ہیں"

آدمی نے تھوڑی دیر کو کاٹنا بند کر دیا اور رومال سے اپنا پسینہ پونچھنے لگا یہ بہت دیر سے شاخیں کاٹ رہا تھا۔ اور آفتاب کی تپش سے پسینہ پسینہ ہوگیا تھا اس لئے تھوڑا آرام لینا چاہتا تھا۔ آرام لیتے ہوئے اس کی نظر جھربیری اور کروندے کی جھاڑی کی جانب تھی۔ کروندے کے درختوں میں پکے پکے سیاہ کروندے لگ رہے تھے۔ ان کو دیکھ کر یہ مسکرایا اور کہنے لگا :-

"کیا میں تم سے بیان کروں کہ تمہاری شاخوں کے کاٹنے کی کیوں ضرورت ہوتی ہے"

بانس اور گلاب کو تعجب ہوا کہ کیا یہ شخص ہماری زباں سمجھتا ہے :-

آدمی نے کہا کہ :-

"اگر تم کاٹے نہ جاؤ تو تم کو کیا معلوم ہے کہ کیا نتیجہ ہو"

بانس نے کہا کہ :-

اگر ہم کو ہمارے حال پر چھوڑا جائے تو ہم بہت خوش رہیں"

آدمی نے کہا :-

"مجھ کو اس کا یقین نہیں ہے اگر تم کو ایسا ہی آزاد چھوڑ دیا جائے
تو تم بھی خوش نہیں رہ سکتے"

بانس نے کہا :-

"کیا نتیجہ خراب ہوگا؟ اگر ہم آزاد چھوڑ دیے جائیں"

آدمی نے کہا :-

"تم بڑھتے بڑھتے اس قدر بڑھ جاؤ کہ پھر تمہارے بڑھنے کی
جگہ ہی باقی نہ رہے۔ تو ایسی صورت میں تم ایک دوسرے کی جگہ
لینے کی کوشش کرو۔ بانس چاہے کہ میں گلاب کی جگہ لے لوں
اور گلاب تھور کی جگہ چھیننے کی فکر میں ہو جائے۔ پھر تھور کہے گا
کہ میں نہیں ہٹوں گا۔ تم نکل جاؤ۔ بانس بڑھ کر اور گھنا ہو کر دونوں کو
دھکا دے گا اور تم دونوں کہو گے کہ ہم نہیں ہٹیں گے"

بانس نے کہا :-

"میں تمہاری بات کا یقین نہیں کرتا۔ ہمارے آپس میں ایسا نہیں ہوگا"

لیکن آدمی نے کچھ جواب نہیں دیا وہ کہتا ہی چلا گیا :-

"آخر کار تمھارے درمیان سخت جنگ ہوگی اور تم تینوں میں سے
ایک بھی خوش نہ ہوگا۔ کیوں کہ ظاہر ہے کہ انسان بھی خوش نہیں
رہ سکتا۔ اگر اپنے ہمسایوں سے لڑتا جھگڑتا رہے"۔
بانس، تھوہر، اور گلاب نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔
"دوسرے تمہاری شاخین کاٹنے سے تمہاری جڑ مضبوط ہوتی ہے
اور جب تمہاری جڑ مضبوط ہوگی تو تم ترقی کروگے"۔
گلاب نے کہا:۔
"بے شک تھوڑا تھوڑا کاٹنے سے ہماری جڑ مضبوط ہوتی ہے کیونکہ بہت سی
شاخوں کی پرورش کے واسطے اوس کو زیادہ محنت کرنی نہیں ہوتی
اور غالباً جیسا کہ تم نے کہا۔ ہم میں جھگڑا پھیل جاے اور ایک دوسرے
کی جگہ چھیننے اور مانگنے لگے۔ تو ایسی صورت مین ہم آرام سے نہیں
رہ سکتے۔ جیسے کہ اب رہتے ہیں"۔
بانس اور تھوہر نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ اُن کی صرف یہ تمنا تھی کہ ہم
بڑھتے جائیں خواہ جھگڑا ہو یا بکھیڑا لیکن ہم بڑھ کر جنگل بنا دیں۔
بانس نے کہا:۔



کیا تم سے بیان کروں کہ تمہاری شاخیں کیوں کاٹی جاتی ہیں

"کیوں نہ ہم کو ہماری خوشی پر چھوڑ دیا جائے۔ جس قدر ہم چاہیں کیوں نہ بڑھیں"

آدمی نے کہا:۔

"اس وقت تمہاری باتوں نے ہم کو اپنے بچوں کی باتیں یاد دلادیں وہ بھی یہ ہی چاہتے ہیں کہ اُن کو اُن کی حالت پر چھوڑ دیا جائے"

گلاب نے پوچھا:۔

"تو کیا تم اُن کو اُن کی مرضی پر چھوڑ دیتے ہو"

"آدمی نے کہا: ہرگز نہیں اگر ہم ایسا کریں تو اُن کی تعلیم و تربیت سے ہاتھ دھولیں اور اُن کو مثل جنگلی درخت کے بڑھنے دیں۔ یا یوں کہو کہ اُن کو وحشیوں کے مثل بنادیں"

"سلمہ میری لڑکی بہت شکر کھانا چاہتی ہے۔ اور جب کوئی نہیں ہوتا تو وہ شکر دان سے شکر لے لیتی ہے۔ اگر ہم اس کو یہ کہہ کر کہ یہ بُری بات ہے نہ روکیں تو کل کو وہ چور ہو جائے۔ اور اور آخرکار جیل میں جائے۔ یعنی کہ اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے نہ روکنے کے باعث بچوں میں خراب عادتیں پڑ جاتی ہیں جو

ہمیشہ کے واسطے اُن کی زندگی برباد کر دیتی ہیں ۔

" ساجد کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ میں رات بھر کھیلتا رہوں اور اور بستر پہ جاؤں ہی نہیں اس کا نتیجہ کیا ہو ؟ اگر ہم اس کو حکم نہ دیں کہ اپنے ٹھیک وقت پہ بستر پہ جا کر لیٹے ؟ اگر ہم اپنے بچوں کو اوقات کا پابند نہ بنائیں تو عمر بھر وہ پابندی اوقات نہ کریں اور وقت کو ضائع کرتے رہیں ۔ اور پھر آگے چل کر اُن کو بہت سی مشکلات کا سامنا ہو "

سب سے اول گلاب نے اُس کی باتوں کو تسلیم کیا ۔ اور صرف یہ دریافت کیا کہ :۔

" سب آدمی ایسی ہی اصلاح کرتے ہیں ؟ "

آدمی نے کہا کہ :۔

" انسان بے تربیت انسان نہیں ہو سکتا اور ایسے ہی درخت بے تراش خراش اچھے نہیں رہ سکتے "

قصور بولے :۔

" خواہ ان کی خواہش ہو یا نہ ہو لیکن انسان ضرور تراش خراش

کرتا ہے۔ حتے کہ وہ اپنے بچوں کو بھی بغیر تعلیم و تربیت کے نہیں چھوڑتا۔"

بانس نے بھی اب اتفاق کیا اور کہنے لگا:۔

"اب ہم کو بجائے اس کے کہ رنجیدہ ہوں۔ راضی برضائے الٰہی ہوجائیں اور کٹنے کے بعد زیادہ خوراک اپنی شاخوں کو پہونچائیں تاکہ ہماری شاخیں مضبوط ہوکر پالے جاڑے کے اثر سے محفوظ رہیں"

تھور نے کہا:۔

"ہاں لڑائی جھگڑے سے یہ بہتر ہے کہ ہم اپنی اپنی جگہ قائم رہ کر آرام وچین سے زندگی بسر کریں"





کہانی گیندے کی زبانی

بچے غور سے کہانیاں سن رہے تھے۔ جب پتو نیا چپ ہوا تو ان سب کو اور کہانیاں سننے کا اشتیاق بڑھا۔ ہنوز یہ کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ دوسری طرف سے گیندا بولا کہ :-

"بچو تم مجھے جانتے ہو کہ میں غریب سے غریب آدمیوں کے گھروں میں بھی صحن میں اپنی جگہ نکال لیتا ہوں۔ اور اُن کے بچے میرے پھولوں سے کھیلا کرتے ہیں اب میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں

ایک گاؤں کے کھلیان میں ایک چوہے کا خاندان رہتا تھا۔ چوہے
چوہیا کے پانچ بچے تھے یہ بچے بہت چھوٹے چھوٹے تھے۔ چوہیا اُن کو
دودھ پلاتی تھی اور رفتہ رفتہ اُن کو ضرورت کی باتیں بھی سکھاتی تھی اُن کو
کہیں دور کھانے پینے کی تلاش میں جانا نہیں پڑتا تھا۔ اس لیئے کہ ان کی
ہوشیار ماں نے ایسی جگہ گھر بنایا تھا کہ جہاں قریب ہی ایک کنواں تھا۔ اور
لوگ پانی بھرنے آتے تھے چوں کہ کنویں کے گرد گڈھے تھے جب لوگ
پانی بھرتے اور جو پانی اون کے بھرتے وقت گرتا وہ گڑھوں میں بھر جاتا
تھا۔ اور جب سب چلے جاتے اور سنسان ہو جاتا تھا تو یہ قریب کی قریب
اُن گڑھوں سے پانی پی لیتی تھی۔ یا اوس وغیرہ سے اپنی پیاس بجھاتی
تھی۔ شب و روز چوہیا کو بجز اس کے کہ اپنے بچوں کی تربیت اچھی طرح کرے
اور کوئی فکر نہ تھی۔

اس قوم میں بچوں کا پہلا سبق یہ ہوتا ہے کہ اپنے کو صاف ستھرا رکھیں
اس لیئے ہر کھانے کے بعد اپنے بچوں کو اپنے لب سے تر کر کے ان سے
منھ دھونا اور زبان سے تمام بدن کو صاف کرنا ان کا فرض ہوتا ہے۔

ان کے چار بچوں نے تو سب کچھ سیکھ لیا تھا۔ مگر سب سے چھوٹا

نافرمان تھا۔ اور کسی بات کے سیکھنے میں دھیان نہیں کرتا تھا۔ یہ بچہ بہت ہی لالچی تھا اور شب و روز اسے کھانے سے کام تھا ایک روز اُس کی ماں نے کہا کہ :-

"تم سے کسان کے بچے بہتر ہیں"

بچہ یہ بات سنکر اپنی ماں کی طرف غور اور اشتیاق کی نظر سے دیکھنے لگا گویا وہ کسان کے بچوں کا قصہ سُننا چاہتا تھا۔
پھر اس نے تعجب سے کہا کہ :-

"کیا وہ بھی ہماری طرح کھلیان میں رہتے ہیں ؟

ماں نے کہا :-

"نہیں وہ گھر میں رہتے ہیں۔ اور اُن کو اُن کی ماں بہت صاف ستھرا رکھتی ہے"

بچہ نے کہا :-

"مجھ کو تو یقین نہیں کہ کوئی بھی بچہ ہر وقت منہ صاف رکھنے کی تکلیف گوارا کرے۔ آپ اجازت دیجئے تاکہ میں جاکر اُن بچوں کو دیکھوں"

ماں نے کہا :-

"نھیں تم ابھی بہت چھوٹے ہو۔ تم کھلیاں سے باہر جانے کا ارادہ نہ کرو۔"

یہ کہہ کر ماں تو کھانے کی چیزیں دیکھنے کو چلی گئی اور بچہ بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا اور آپ ہی آپ کہنے لگا:۔

"مجھ کو تو یقین نہیں ہوتا کہ بچے ایسی تکلیف اُٹھانا پسند کریں کہ ہر وقت صاف ستھرے رہنے کا خیال رکھیں۔

جس قدر وہ خیال کرنا چاہتا تھا۔ اُتنا ہی وہ بھولتا جاتا تھا کہ میری ماں نے مجھ کو باہر جانے سے منع کیا ہے آخرکار یہ باہر چلا گیا۔ اور کھیت میں دوڑنے لگا کبھی ادھر اور کبھی ادھر چلا جاتا۔ لیکن اس کو منزل مقصود کا راستہ نہ ملا۔

"کہنے لگا کہ یہ جگہ رہنے کے لئے کھلیاں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے۔ کھلا میدان ہے، صاف ہوا ہے۔ اچھا منظر ہے کیا ضرورت ہے کہ کھلیاں کے ڈھیر میں چھپے چھپے زندگی بسر کریں۔"

یہ خیال کر رہا تھا کہ اس نے اپنی ماں کے بلانے کی آواز سنی۔ اور چونکہ یہ کھلیاں سے دور چلا گیا تھا۔ اور کھیت میں پھر رہا تھا اُس کو ٹیلے سے

نکلنا مشکل ہوگیا۔ تاہم وہ وہاں سے نکلا اور گھر کی طرف چلا۔ اتنے میں اُس کو کسی مرے ہوئے جانور کے گوشت کا ٹکڑا ملا اگرچہ کھانے کا وقت نہ تھا۔ اور اُس کو بھوک بھی نہیں تھی مگر اُس کی بو نے دل للچا دیا اور کٹر کٹر کُترنے لگا گوشت کو کُترتا جاتا تھا۔ اور کہتا جاتا تھا کہ:۔

"میری ماں مجھ کو ڈراتی تھی۔ یہاں تو کچھ بھی ڈر نہیں ہے اگر میں کھلیان میں ہوتا تو یہ گوشت کا ٹکڑا جو ایک نعمت غیر مترقبہ ہے مجھ کو کہاں سے ملتا"

یہ خیال ہی کر رہا تھا کہ اس کو کھڑکھڑا کی آواز سنائی دی ۔ اور بغیر اس کے کہ وہ دیکھے کہ کیا ہے؟ وہ بے تحاشہ بھاگا۔ اور اپنے گھر کا راستہ لیا اور جھٹ پٹ اناج کے انبار میں گھس گیا۔ اور اپنی ماں کی آواز سننے لگا جو اپنے دوسرے بچوں سے بات کر رہی تھی۔

اس کی ماں اپنے بچوں سے کہہ رہی تھی:۔

"خبردار! ہمیشہ کتے۔ بلی سے بچتے رہنا۔ اور انسان سے بھی بچنا۔ کیوں کہ وہ تم کو پسند نہیں کرتا"

بچوں نے کہا:۔

"ہاں! وہ ہم کو پسند نہیں کرتا۔"

ماں نے کہا:۔

"سب سے محفوظ جگہ تمہارے واسطے نالیاں ہیں۔ میری خالہ زاد بہن جو قصبہ میں رہتی ہے۔ وہ ہمیشہ نالیوں ہی میں رہتی ہے۔"

بچوں نے کہا:۔

"ہاں اماں جان! دیہات میں ایسی موریاں اور نالیاں نہیں ہیں کہ ہم لوگ وہاں رہ سکیں۔ اس لئے کھلیان یا بنڈہ ہمارے واسطے اچھی جگہ ہے۔"

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ چھوٹا بچہ شرمندہ اور تھکا ہوا آیا۔ اس کی ماں نے پوچھا کیا ہوا

"بچہ نے کہا اماں! میں کھیت میں چلا گیا تھا اگرچہ آپ نے مجھے منع کیا تھا۔ میں ایک کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنتے ہی وہاں سے بھاگا۔ جب کہ میں انبار میں چھپ گیا پھر بھی میں نے آہٹ سنی اور یہ دو آدمی تھے جو آپس میں باتیں کر رہے تھے۔"

ایک نے دوسرے سے کہا کہ "یہاں چوہے ہیں۔" دوسرے نے کہا:۔

"ہم کو یہاں سے انبار اُٹھا لینا چاہئے۔ ورنہ چوہے بہت نقصان کریں گے۔"

"دوسرے نے جواب دیا کہ جلدی کرنا چاہیے۔"

چوہے کے بچے ایک دوسرے کی جانب یہ قصہ سنکر دیکھنے لگے اور ان کا باپ جو سو رہا تھا جاگ اُٹھا اور کہنے لگا کہ:-

"دیکھا نافرمانی کا نتیجہ گھر بار سب گیا تمہاری ماں تم کو منع کرتی تھی اور تم نے نہ مانا۔"

یہ بچہ رونے لگا اور کہنے لگا:-

ہم اُن بچوں کے ساتھ جا رہیں گے۔ جو گھروں میں رہتے ہیں۔"

ماں نے کہا:-

"چپ رہو! رونا ہماری کچھ مدد نہیں کریگا۔ ہم کو فکر کرنی چاہئے۔"

غرض شام ہی کو کساں اوس ڈھیر کے ٹکڑے کرنے لگے۔ یہ چوہے درمیان ڈھیر کے بیٹھے ہوے دیکھتے رہے۔ اور ماں باپ دونوں نے ہدایت کی:-

"چپ چاپ بیٹھے رہو۔"

غرض یہ مکا کا ڈھیر اُٹھ گیا۔ اور یہ سب بل میں چھپے رہے اُن کی ماں نے کہا:

"خیر اس وقت یہ بلا ٹل گئی۔ اور اس بچہ کی نافرمانی کے نتیجہ سے
ہم سب بچ گئے"

یہ بچہ بھی خوش ہوا اور اپنے آپ کو صاف کرنے لگا۔ اس کے بھائی بھی بہت
خوش ہوئے کہ ہم ابھی اپنے گھر ہی میں ہیں اگرچہ اُس کو توڑ کر چورا چورا کر دیا
لیکن ہماری خاموشی نے ہم کو بچا لیا صبح کو یہ سب اُٹھ کر پانی پینے گئے۔
واپسی پر اُنہوں نے دیکھا کہ غلہ اُٹھا کر وہاں رکھ دیا جہاں ایندھن رکھنے کی
جگہ تھی۔ اور اس طرح اُس کو بنایا ہے کہ کوئی راستہ چوہوں کے جانے کا
نہیں ہے وہ کودے اور وہاں سے نکلے۔ اور جب انہوں نے اُس میں جانا
چاہا تو ناممکن تھا۔ اب کوئی تدبیر سوائے اس کے نہیں تھی کہ نیا گھر بنائیں۔
سب دن اُن کا افسوس میں گذرا اور کہتے تھے کہ:۔

"خیر جان بچی لاکھوں پائے! ورنہ حضرت انسان تو ہماری بربادی
کے لئے کمربستہ تھے"

آخر اُنہوں نے ایک پرانے کھلیان میں اپنا گھر بنایا جو زمیندار کے گھر کے قریب ہی تھا
اب اس نافرمان بچہ کی خواہش پوری ہوئی اور یہ کہنے لگا کہ:۔

"اب میں دیکھ سکوں گا کہ کسان کے بچے وہ ہی کرتے ہیں جو میری

ماں نے کہا تھا۔"

یہ ایک روز کھانے کی تلاش میں باورچی خانہ میں پہونچا۔ اور چپ چاپ بل میں بیٹھا رہا۔ بڑی دیر کے بعد کسان کے بچے ہنستے، گاتے اور اپنی ماں سے باتیں کرتے ہوے آئے یہ چوہے کا بچہ انہیں دیکھتا رہا۔ اور اس نے دیکھا کہ یہ بچے گھر میں آتے ہی کمرہ میں گئے۔ اول اپنے جوتوں کو چٹائی پر اُتارا جو دروازے پر خاص اسی لئے پڑی تھی۔ اور کوٹ کو کھونٹیوں پر لٹکا دیا پھر ایک طرف جاکر منھ ہاتھ دھویا۔ اور باورچی خانہ میں ایک تخت پر بیٹھے ماں نے کہا کہ :-

"تم دسترخوان درست کرو میں گرم گرم روٹی پکاتی ہوں"

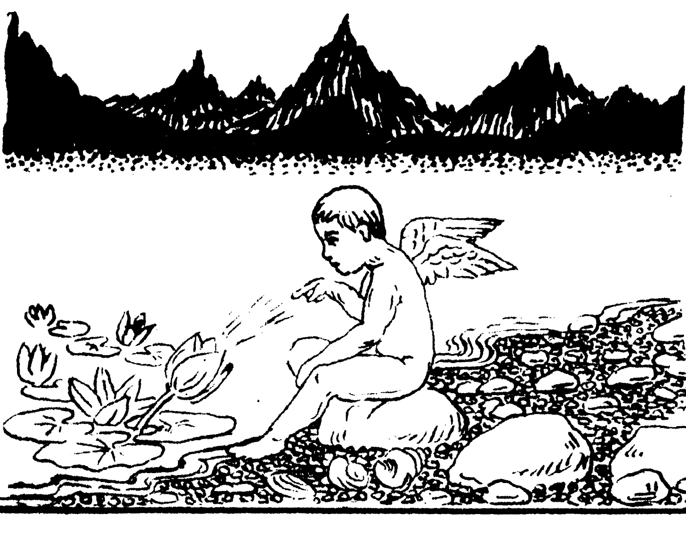
ایک لڑکے نے صاف اور سفید دسترخوان بچھایا، دوسرے نے برتن نکال کر دسترخوان پر رکھے اور سالن کی قابیں سلیقہ سے اُٹھائیں۔ ماں گرم گرم روٹی دیتی گئی اور یہ بچے سلیقہ سے کھاتے رہے۔

جب کھا چکے تو سب چیزیں احتیاط سے رکھ دیں۔ ہاتھ دھوئے۔ کلّی کی اور دانت صاف کئے چوہے کے بچہ نے کہا :-

"سچ ہے! یہ بچے کیسے اچھے دکھائی دیتے ہیں۔ میں بھی اپنی ماں کا ان ہی جیسا بچہ ہو جاؤں گا"

اور پھر وہاں سے چلا گیا اور پرانے کھلیان میں جہاں نیا گھر بنایا تھا جا کر اپنے بہن بھائیوں سے مل گیا اور اپنی ماں سے کہا:۔

"واقعی اماں جو آپ کہتی تھیں وہ ٹھیک ہے زمیندار کے بچے بہت ہی اچھے ہیں۔ اور اب میں بھی ایسا ہی رہوں گا۔ ہمیشہ آپ کی فرماں برداری کروں گا۔ واقعی نافرمانی سے سخت نقصانات پہونچتے ہیں۔ اس لئے بچوں کو ہمیشہ اپنے والدین کی فرمانبرداری کرنی چاہیئے۔ کیوں کہ وہ ہم سے زیادہ دنیا کو دیکھے ہوئے ہیں اور ہمیشہ ہمارے نفع کے خواہاں ہیں"





کہانی کنول کی زبانی

یہ کہکر گیندا خاموش ہوگیا۔ کنول جو نرسری کے نزدیک والے حوض میں کھل رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے ذرا اونچا ہوکر کہا کہ:۔

"بچو! اب ایک کہانی مجھ سے سنو:۔

دو لڑکے ایک تالاب پر مچھلی کے شکار کو گئے انھوں نے اپنے بلئے۔ بنسی درست کرکے اُس میں چارہ باندہا۔ اور تالاب میں ڈالا۔

یہ نہایت خاموش بیٹھے ہوئے شکار کا انتظار کر رہے تھے کہ اُن کی نظر

ایک چوہے پر پڑی جو گونڈے میں اِدھر اُودھر اُچک رہا تھا۔

اب چوہا گونڈے کے ایک بڑے پتے پر بیٹھ کر بہت ہی غور سے ان دونوں لڑکوں کو دیکھنے لگا۔ اور ان کی خاموشی سے خیال کرنے لگا کہ یہ دونوں زندہ نہیں ہیں مگر ان میں سے ایک نے بنسی کو ہلایا کیوں کہ اُس کی بنسی میں مچھلی پھنس گئی تھی جب لڑکے میں ایک حرکت پیدا ہوئی تو چوہا بہت ہی گھبرایا اور فوراً گونڈے میں چھپ گیا۔

ایک لڑکا جس کا نام حلیم تھا۔ اُس نے جلدی سے بنسی کو کھینچا۔ اور دانت سے بنسی کی ڈور کو کاٹا۔ مگر چوہے کی گھبراہٹ دیکھ کر اتنے زور سے ہنسا کہ مچھلی کو کھینچنا بھول گیا اور مچھلی بنسی سے نکل گئی۔

غرض پھر یہ دونوں خاموش بیٹھے کہ اور مچھلی پکڑیں۔ بہت دیر کے بعد ایک مچھلی دوسرے لڑکے کی بنسی میں پھنسی اُنھوں نے اُس کو نکالا دونوں کہنے لگے کہ :۔

"اب تو بھوک بہت لگی ہے چلو ناشتہ کھائیں۔

اُنھوں نے پکڑی ہوئی مچھلی کو ظروف میں رکھا اور ذرا دور جا کر ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگے۔

یہ ناشتہ کرتے جاتے تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ طبراق فاصلہ پر پڑی ہوئی تھی۔ دوسرے چوہے جو گاؤں میں رہتے اور خشکی کے چوہے کہلاتے ہیں۔ اُن میں سے ایک چوہا آیا اور طبراق کے نزدیک سے گذرا اس کو مچھلی کی خوشبو آئی اور اُس نے جلد طبراق کو کاٹ کر مچھلی کھانا شروع کیا آدھی مچھلی کھا کر یہ چوہا چلا گیا تاکہ اپنے بچوں کو بھی لا کر کھلائے۔

یہ لڑکے ناشتہ سے فارغ ہوئے تو اُنھوں نے ارادہ کیا کہ اب گھر جائیں یہاں جب طبراق اُٹھانے کو آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ طبراق کٹی ہوئی ہے اور مچھلی بھی آدھی چوہا کھا چکا ہے۔ کلیم کو یہ دیکھکر بہت ہی غصہ آیا اور اُسنے کہا کہ

"یہ پانی کے چوہے کا کام ہے۔ میں اوس کو ضرور مار ڈالون گا"

لیکن حلیم نے کہا کہ :۔

"نہیں بغیر دیکھے ایسا نہیں کرنا چاہیئے اول تو مجھ کو معلوم ہے کہ پانی کے چوہے گوشت نہیں کھاتے اگر بالفرض اُسی نے کھایا ہے تو اس بقیہ مچھلی کے کھانے کو ضرور آئے گا۔ اُس وقت اُس کو مار ڈالنا۔ آؤ ہم تم دونوں اس قریب کی جھاڑی میں چھپ کر بیٹھیں۔ اور تاکتے رہیں کہ کب یہ چوہا آکر اُس کو کھاتا ہے۔



کسی انسان یا جانور کو سزا نہ دینی چاہیے جب تک کہ اُس کا قصور ثابت نہ ہو

یہ دونوں لڑکے جھاڑی میں جاکر چھپ گئے بہت دیر کے بعد دیکھتے کیا ہیں کہ چار پانچ چھوٹے بڑے چوہے چلے آتے ہیں حلیم نے کلیم سے کہا۔

"دیکھو! خشکی کے چوہے کا خاندان چلا آرہا ہے۔ اور میرا خیال ہو کہ ان میں سے ایک نے مچھلی کھائی ہے اور ہمارے طراق کو کاٹا ہے پھر یہ اپنے خاندان کو خبر کرنے گیا تھا اب خاندان کا خاندان ہماری مچھلی کھانے کو آیا ہے"

آخر یہ خیال سچ ثابت ہوا یہ سب کے سب اس مچھلی کو کھانے لگے۔ اور جب مچھلی ختم کر چکے تو اپنی زبانیں نکال کر اور لب کو پنجوں پر لگا کر اپنے منھ دھونے لگے اور اپنی زبان سے اپنے بدن کو صاف کرنے لگے۔ اور جب ان کو یقین ہوگیا کہ ہم خوب صاف ہوگئے تو وہ اپنے گھر چلے گئے۔

حلیم نے کہا:۔

"کلیم! تم نے کبھی ایسا تماشہ پہلے بھی دیکھا تھا"

کلیم چوہوں کا تماشہ دیکھنے میں اس قدر محو ہوا کہ اُن کا مارنا بالکل بھول گیا اور اپنے بلیے ہنسی سنبھالتے ہوئے حلیم سے کہنے لگا کہ۔

"اچھا ہوا کہ یہ پھر آئے۔ اگر ہم تحمل نہ کرتے اور جانچ نہ کرلیتے تو یہ پانی کا

غریب چوہا بے قصور مارا جاتا۔

پانی کا یہ بیچارہ چوہا جس کو خبر نہ تھی کہ میرے مار ڈالنے کا مشورہ ہو رہا ہے اور میں بے گناہ مارا جاؤں گا۔ خوب کھیل رہا تھا۔"

حلیم نے کہا کہ:۔

"کبھی کسی انسان یا جانور کو سزا نہ دینی چاہئے جب تک کہ اُس کا قصور ثابت نہ ہو۔ اور اِس کا کامل یقین نہ ہو جائے کہ وہ سزا کے قابل ہے صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی بے گناہ سزا پا جائے۔"





کہانی نرگس کی زبانی

یہ کہہ کر کنول خاموش ہوگیا۔ نرگس بھی ایک جانب سے ان بچوں کو اسی طرح محویت کے ساتھ کہانی سنتے دیکھ رہی تھی۔ جب کنول چپ ہوا تو اُس نے آنکھ کے اشارے سے بچوں کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ :۔

"اچھا اب مجھ سے بھی ایک کہانی سنتے جاؤ"

ایک گاؤں میں ایک لڑکی رہتی تھی۔ جب اُس کا زمانۂ تعلیم آیا تو وہ بھی دوسری لڑکیوں کے ساتھ مدرسہ گئی۔ اس کی ماں بہت غریب تھی۔

محنت مزدوری کرکے اپنے بچون کی پرورش کرتی تھی۔

اس لڑکی کا نام صابرہ تہا۔ جو صفت اس کے نام سے ظاہر ہوتی تھی وہی اوس مین موجود تھی۔ یہ کبھی کسی بات مین ضد نہیں کرتی تھی۔ جو کھانا اس کے سامنے رکھدیا جاتا۔ خاموشی سے کھالیتی یہ جانتی تھی کہ جو کچھہ میری ماں کو میسر ہے وہ مجھ کو دیتی ہے۔ جب شام کو مدرسے سے آتی تو اس کی ماں اس کو ایک پیالہ دودہ دیتی تھی جو گھر کی بکری کا تھا۔ اس کی ماں جب جنگل یا کھیت میں غلہ یا گھانس کاٹنے جاتی تو بکری کو اپنے ساتھ لے جاتی اور اور ایک طرف چرنے کو چھوڑ دیتی تھی۔ جو گاؤں کی اور بکریوں کے ساتھ چرا کرتی تھی۔ جب یہ گھر واپس آتی تو بکری کو اپنے ساتھ لاکر اوس کا دودہ دوہ کر صابرہ کے واسطے رکھہ چھوڑتی تاکہ جب وہ پڑہ کر آئے تو اُس کو پلادے

ایک روز صبح کو صابرہ کا باپ چند کھجوریں بصرہ کی لے کر آیا اور صابرہ کو دیں اور کہا کہ "بیٹی! یہ تمہارے کھانے کو لایا ہوں" تم خیال کرسکتے ہو کہ اُنکو دیکھ کر صابرہ کیسی خوش ہوئی ہوگی اور کیسا اُس نے اپنے باپ کا شکریہ ادا کیا ہوگا۔ غرض اُس نے اُن کھجورون کو اپنے کھانے کی ٹوکری میں رکھ لیا اور مدرسہ چلی گئی۔

اب تم غور کرو کہ اس غریب لڑکی کو وقت کا کس قدر اشتیاق کیسا انتظار ہو گا کہ کب کھانے کا وقت آئے کہ اپنے باپ کی عطا کی ہوئی کھجوریں کھائے۔ جو ایسے غریب گھر کی لڑکی کو جسے سوا بھاجی روٹی کے کچھ میسر نہ تھا ایک نعمت غیر مترقبہ معلوم ہوتی تھیں اور جن کا اس نے نام ہی نام سنا تھا۔

وہاں ایک اور بھی لڑکی تھی جو ایک خوش حال زمیندار کی بیٹی تھی اور اُس کا نام صنوبر تھا۔ اس کو روزانہ اچھے اچھے کھانے اور ہمیشہ ہر قسم کے تازہ میوے ملتے تھے اور ہر روز اس کے واسطے تازہ کھجوریں آتی تھیں جن سے شیرہ ٹپکتا ہوتا تھا۔ صنوبر کے باپ کا خود ایک باغ تھا جس میں قسم قسم کی کھجوروں کے درخت تھے۔ مصری۔ مدنی۔ بصری، طائفی، پنڈ کھجور جلی کھجور وغیرہ کثرت سے ہوتی تھیں۔

جس صبح کو صابرہ کو گنتی کی تین کھجوریں ملی تھیں تو صنوبر کے پاس کھجوروں کی ایک رکابی بھری ہوئی تھی۔ وہ اسکول کے تمام راستہ میں کھاتی ہوئی آئی تھی۔ صنوبر کھجوروں کی اس قدر شوقین تھی کہ اس کی طبیعت کبھی سیر نہیں ہوتی تھی باوجود اس کے کہ وہ اس قدر کھجوریں کھا چکی تھی۔ لیکن جب اس کی چھٹی ہوئی تو وہ اُس کمرہ میں گئی جہاں اُس کا ناشتہ دان

رکھا ہوا تھا۔ کہ شاید اُس میں کچھ کھجوریں اور باقی ہوں۔ لیکن اب ایک بھی نہیں تھی۔ اُس نے اپنی چچازاد بہن سے جس کا نام عقیلہ تھا کہا :۔

"کاش میں تمام کھجوریں راستہ میں نہ کھا لیتی تو اس وقت بھی کھاتی"

اس کی بہن عقیلہ نے کہا :۔

"میرے حصہ کی تو رکھی ہیں۔ میں تو کھانے کا جب وقت آے گا

تو کھاؤں گی"

صنوبر نے کہا :۔

"مجھے ایک ہی دیدو عقیلہ نے کہا۔ نہیں تم اپنے حصہ کی کھا چکی ہو

میں تم کو نہیں دوں گی۔ تم نے کیوں اپنا حصہ ایسی جلد ختم کر دیا"

یہ کہکر وہ دوسری طرف چلی گئی غرض کہ دوپہر تک صنوبر کو کھجوروں کا خیال رہا۔

جب کھانے کا وقت آیا تو وہ پھر کھانے کے کمرہ میں گئی اور بہن کا ناشتہ دان کھولنے لگی اور جیسے ہی اوس نے ڈھکن اُٹھایا عقیلہ بھی وہاں آ گئی اور اُس نے کہا کہ :۔

"اگر تم اس طرح کھجوریں لوگی تو چور بن جاؤ گی"

صنوبر نے عقیلہ کی جانب حسرت آمیز نظر سے دیکھا۔ عقیلہ کو اس کی حالت پر افسوس ہوا۔ اور ایک بڑی سی کھجور اپنی بہن کو اُٹھا کر دیدی اور کہنے لگی :-

"اب مت چراتا تم اپنی تو سب کھا چکیں۔ اب میرے حصہ میں سے لینے آئی ہو لالچی مت بنو۔"

صنوبر نے اپنا سر ہلا کر اُس کا شکریہ ادا کیا اور کھجور اپنے منھ میں کھ لی عقیلہ وہاں سے چلی گئی اور صنوبر تنہا رہ گئی وہیں صابرہ کا بھی ناشتہ دان رکھا تھا۔ صنوبر نے اوس کو بغیر تردد کے کھول کر دیکھا تو اوس میں تین کھجوریں رکھی ہوئی دیکھ کر کہنے لگی :-

"میں نے تو کبھی صابرہ کے ناشتہ دان میں اس سے پہلے کھجوریں نہیں دیکھیں۔ یہ کس نے اوس کو دی ہیں۔"

صنوبر کو یہ معلوم تھا کہ صابرہ ایک غریب آدمی کی لڑکی ہے لیکن کھجوروں نے اس کو للچا دیا جس طرح کہ اُس کی بہن عقیلہ کی کھجوروں نے اُس کی رال ٹپکا دی تھی اوس نے بے تامل اپنا ہاتھ صابرہ کے ناشتہ دان میں ڈالا۔ مگر اس وقت نہ کسی نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور نہ یہ کہا کہ تم چور ہو جاؤ گی۔ لیکن

صنوبر نے خود اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اوس کو خیال آگیا کہ :-

" یہ غریب لڑکی اس سے پہلے نہ کبھی کھجوریں لاتی

اور نہ کبھی اس کے کھانے میں شیرمال دیکھے گئے۔ لیکن صابرہ

ہمیشہ صابر و شاکر رہتی ہے نہ تو کبھی اس نے کسی چیز کی طرف

آنکھ اٹھا کر دیکھا نہ کسی دوسرے کی چیز کو اس نے ہاتھ لگایا۔

نہیں مجھ کو بھی ایسا نہیں کرنا چاہئے "

یہ کہکر صنوبر نے ناشتہ دان کو بند کر دیا اور کھیل کے میدان میں جاکر ایک

درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ وہاں سے اس نے دیکھا کہ صابرہ آئی اور اپنے

ناشتہ دان میں سے کھانا کھایا :-

صنوبر نے کہا کہ :-

" اچھا ہوا میں نے اس غریب کی کھجوریں نہیں لیں "

دوسرے دن صنوبر پھر موقع پاکر کھانے کے کمرے میں گئی صابرہ کے

ناشتہ دان کو دیکھا تو اوس میں مکا کی روٹی اور بھاجی رکھی ہوئی تھی کھجوریں

وغیرہ کچھہ بھی نہ تھیں۔ صنوبر کو اور بھی رحم آیا اور اب وہ اپنے اس فعل پر

کہ اوس نے صابرہ کی کھجوریں لینے میں احتیاط کی۔ بہت خوش ہوئی اور



اگر تم اسطرح کھجوریں لوگی تو چور بن جاؤگی

چند دانے کھجوروں کے رکھہ کر ہنستی ہوئی چلی گئی اب صابرہ آئی اور اُسنے اپنے ناشتہ دان میں کھجوریں دیکھیں تو اوسے بہت تعجب ہوا اور اُس نے ہر ایک سے دریافت کیا کہ یہ کس کی کھجوریں میرے ناشتہ دان میں رکھی ہیں اوس وقت صنوبر کو شرم بھی آئی کہ میں کیسی لالچی لڑکی تھی لیکن یہ خیال کر کے خوشی بھی ہوئی کہ :-

"میرے ضمیر نے مجھہ کو اچھا مشورہ دیا کہ میں نے اس غریب ایماندار لڑکی کی کھجوریں نہیں لیں"

اور پھر صنوبر نے سب قصہ صابرہ سے کہا کہ :-

"کل ایسا ہوا تھا - اور آج یہ کھجوریں میں نے تمہارے ناشتہ دان میں رکھہ دیں تاکہ میرے کل کے خراب ارادے کا معاوضہ ہو جائے لیکن تم اگرچہ غریب ہو مگر بڑی ایماندار لڑکی ہو امید ہے کہ میرے تمہارے درمیان پکا دوستانہ رہے گا - اور تمہاری رفاقت میرے حق میں مفید ہوگی میں سمجھتی ہوں کہ نیک صحبت بھی ایک عجیب مفید چیز ہے - جو بد کو نیک بنا دیتی ہے"

نیک صحبت مثل عطر کے ہے کہ جو دل و دماغ کو فرحت پہونچاتی ہے



کہانی داؤدی کی زبانی

نرگس نے جب حکایت ختم کی تو کھانے کا وقت ہوگیا تھا بچے ادہر
اودہر دیکھنے لگے ۔کیوں کہ اُن کو بھوک لگ آئی تھی اور یہاں سے جانے کو
اُن کا دل نہیں چاہتا تھا کہ یکایک زور سے ہوا چلی اور قریب ہی جو سیب کا
درخت تھا۔ اوس میں سے ۱۲ سیب گرے اور معًا ایک آواز آئی کہ کُلُوا
وَاشْرَبُوا هَنِيْئًا مَّرِيْئًا۔ بچوں نے سیب اوٹھائے اور کھا کر سیر ہوگئے ۔ اور
پھر ترسری کے چمن میں آگئے ۔ وہاں داؤدی ہی فرمائش کی اور اس نے کہانی شروع کی

کسی قصبہ میں ایک عورت رہتی تھی اس کے تین بچے تھے جن میں دو لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا تھا وہ ایک رات ان سب کے ساتھ اپنے باورچی خانہ میں بیٹھی ہوئی تھی یہ عورت بہت صاحب سلیقہ تھی اس کا باورچی خانہ بہت صاف و ستھرا تھا۔ تم جانتے ہو کہ باورچی خانہ کی صفائی ایک بڑی چیز ہے۔ جہاں کھانا پکایا جاتا ہے۔ وہاں ضرور دھواں اور کچرہ وغیرہ ہوتا ہے۔ دیواریں اور زمین اکثر دھوئیں سے سیاہ ہو جاتی ہیں۔ بدتمیز و بدسلیقہ عورتیں ترکاری اور پیاز لہسن وغیرہ کے چھلکے ڈال کر کوڑ کچرا پھیلاتی ہیں۔ برتن منجے دُھلے اور صاف نہیں رکھتیں۔ مہینوں برتنوں پر قلعی نہیں کرواتیں بے قلعی کے برتنوں میں ہی کھانا پکایا جاتا ہے جو صحت کے واسطے نہایت مضر ہے کھانا کھانے کے بعد برتنوں کو فوراً صاف نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بھرے ہوئے چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ جن پر مکھیاں بھنکتی رہتی ہیں یہ مکھیاں ہزاروں قسم کی بیماریاں پھیلانیکا ذریعہ ہوتی ہیں۔ گندی جگہ کھانا پکانے سے بدتمیز کہلانے کے علاوہ صحت کو بھی بہت بڑا نقصان پہونچتا ہے۔

غرض جو مائیں صاحب سلیقہ ہونے کے سوا اصول صفائی سے واقف ہیں وہ عموماً اپنے مکان کے ہر کمرہ کو صاف و ستھرا رکھتی ہیں اور باورچی خانہ کی

صفائی کا تو خاص طور پر خیال رکھتی ہیں یہ ماں اُن ماؤں میں سے تھی جن کو
تمیزدار کہنا چاہیئے یہ تمیزدار تو تھی مگر بچوں کی تربیت کا مادہ اس میں کم تھا
غرض یہ اپنے بچوں کے ساتھ اپنے صاف ستھرے باورچی خانہ میں
بیٹھی کام کر رہی تھی۔ جب کھانا پکانے سے فارغ ہوئی تو بچوں کو کھانا کھلایا
اور کہا کہ جاکر سو رہو۔ بچے جو منتظر تھے کہ کب کھانے سے فارغ ہوکر اپنے بستر پر جا
لیٹیں۔ ماں کا حکم سنتے ہی اُٹھے نہ سلام کیا اور نہ شب بخیر کہا۔ اور سیدھے
جاکر اپنے بستروں میں لیٹ گئے۔ ماں غریب جو دن بھر کی ہاری تھکی تھی
جب اُس نے دیکھا کہ بچے سو گئے ہیں تو یہ بھی گاؤتکیہ سے لگ کر ذرا آرام
لینے لگی۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد اس نے اپنے بغچے کھولے۔ سوئی
تاگہ نکالا۔ اور بچوں کے کرتوں میں گھنڈی تکمہ ٹانکنے اور پھٹے پُرانے کو
پیوند پاری سے درست کرنے لگی جب اوس کو درست کر چکی تو ہاری تھکی
تو تھی ہی۔ اوس کی آنکھ بھی جھپکتی جاتی تھی۔ کہ اس کی زبان سے کسی خیال میں
نکلا کہ :-

"کاش کے"!

یہ جملہ ختم نہیں ہوا تھا کہ اوس کو نہایت ہی شیریں آواز سے کسی نے جواب دیا کہ

"تم کیا چاہتی ہو" ؟

یہ آواز تو اوس کی نیم بیداری مین آئی تھی لیکن اس کے سنتے ہی غافل ہوگئی۔ گویا آواز کیا تھی۔ ایک کلورا فارم تھی جس نے اوس کو غافل بنا دیا۔ اور اس پر بیہوشی کا عالم طاری ہوگیا۔ اب کیا دیکھتی ہے کہ ایک چھوٹا سا لڑکا کھڑا ہوا ہے اور اس سے دریافت کر رہا ہے:۔

"تمہاری خواہش کیا ہے" ؟

عورت نے جواب دیا کہ:۔

"میری خواہش ہے کہ میری دونوں لڑکیاں جو بہت ہی لاپرواہین اور کبھی میری نصیحت کو نہین مانتیں۔ جو میں کہتی ہوں اوس کو بے توجہی سے سنتی ہیں۔ کسی کام کو سلیقہ سے نہیں کرتیں۔ ہر بات میں اپنی ضد اور ہٹ کو پورا کرتی ہیں۔ کاش اُن میں سے یہ عیب دور ہوجائیں اور وہ اچھی لڑکیاں بن جائیں"۔

اس فرشتہ صورت نے دریافت کیا کہ:۔

"تمہاری کس قدر اولاد ہے"؟

عورت نے کہا:۔

"تین بچے ہیں۔ ایک لڑکا اور دو لڑکیاں۔ لڑکا تو صرف ۲ سال کا ہے لیکن لڑکیاں ہوشیار ہیں۔ ایک کا نام تو مریم ہے۔ اور دوسری کا نام آسیہ"

اُس نے جواب دیا کہ:۔

"لڑکا تو ابھی بہت چھوٹا ہے۔ لیکن اگر ایک روز کے واسطے تم اپنی دونوں لڑکیاں مجھے دو تو غالباً میں تمہاری تمنا پوری کرنے میں کچھ امداد کر سکوں"

یہ سنکر وہ عورت جس کا نام کافیہ تھا۔ بہت پریشان ہوئی اگرچہ یہ اپنی لڑکیوں کی نافرماں برداری اور ضدی طبیعتوں سے تنگ تھی۔ مگر محبت مادری کب اس بات کو گوارا کرتی تھی کہ اپنی لڑکیوں کو کسی کے سپرد کردے۔ خواہ ایک ہی لمحہ کے واسطے کیوں نہ ہو۔ نہ کہ چوبیس گھنٹہ کے واسطے۔

فرشتہ نے یہ بھی دریافت کیا کہ:۔

"اِن کی خراب عادتوں میں سے سب سے زیادہ خراب کونسی عادت ہے"؟

کافیہ نے کہا کہ:۔

"سب سے زیادہ خراب عادت یہ ہے کہ یہ میری بات کو نہیں مانتیں

میں ان کو منع کرتی ہوں کہ تم کسی کی آنکھ سے آنکھ ملا کر بات نہ کیا کرو یا دوسرے محلہ کے گھروں میں تاک۔ جھانک نہ کیا کرو لیکن ضد یہ کرکے دیواروں پر کھڑی ہوتی ہیں اور دوسرے کے گھروں میں جھانکتی ہیں اور مجھ سے جو ملنے والیاں آتی ہیں اُن سے بلا لحاظ بزرگی بے باکانہ طریقہ سے گفتگو کرتی ہیں ذرا ان کی آنکھ میں شرم وحیا نہیں ہے۔ اگرچہ یہ خراب عادتیں ان میں ہیں اور ان ہی کی وجہ سے میں اِن سے رنجیدہ رہتی ہوں لیکن مجھ کو یہ گوارا نہیں ہے کہ ایک لمحہ کے واسطے بھی یہ مجھ سے جدا ہوں۔

فرشتہ صورت لڑکے نے کہا کہ:-

"تم اطمینان رکھو یہ میرے ساتھ نہایت حفاظت و آرام سے رہیں گی۔ تم ان کی واپسی پر خود دیکھ لوگی کہ یہ کس قدر مہذب لڑکیاں ہوگئی ہیں۔

آخر بہت سے وعدہ وعید اور سعی کے بعد کافیہ رضامند ہوئی اور اس فرشتہ صورت لڑکے کو اُن لڑکیوں کی خواب گاہ میں لے گئی دونوں لڑکیاں گہری نیند میں سو رہی تھیں۔ یہ لڑکا اُن دونوں کو ایسی آہستگی سے لے گیا جیسا کہ

کوئی بچہ اپنی دو گڑیوں کو اپنے ہاتھوں میں اُٹھا کر لیجاتا ہے۔

اب کافیہ پر نیند کی مدہوشی طاری ہے اور خوب گہری نیند میں یہ خواب دیکھ رہی ہے کہ میری بچیوں کو فرشتہ گھر سے لے گیا ہے۔ لیکن میں اُن کو دور سے دیکھ رہی ہوں اور اُس نے اُن کو ایک درخت پر جہاں ایک جھونپڑا سا بنا ہوا ہے بٹھلا دیا ہے۔

کافیہ تو تمام رات خواب میں یہ ماجرا دیکھتی رہی اب یہ لڑکیاں جب نیند سے جاگیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہ ایک جھونپڑے میں ہیں۔ ایک کرسی رکھی ہوئی ہے اور اُس پر ان کے کپڑے بھی رکھے ہوئے ہیں اپنے تئیں ایک غیر جگہہ دیکھ کر اُن کو تعجب اور خوف ہوا۔ اونہوں نے شب خوابی کا لباس اُتارا۔ اور دوسرا لباس پہنا۔ خاموشی سے بیٹھی ہوئی حیرت زدہ نگاہ سے دیکھ رہی تھیں کہ اس اثنا میں وہی فرشتہ جوان (لڑکیوں) کو اون کی ماں کے گھر سے لے گیا تھا آیا اور ان کو۔

"سلام علیک اور الصباح بالخیر کہا"

یہ لڑکیاں اوس کو ایک نئی طرز کا آدمی دیکھ کر ہنسنے لگیں۔ اور کچھ جواب نہیں دیا۔ فرشتہ نے ان کی اس بیہودگی پر ناراضی کا اظہار نہیں کیا

ظاہر ہے کہ ایک صریح بیہودگی اور بد تہذیبی ہے کہ ایک شخص سلام کرے۔
اور دُعائیہ الفاظ کہے۔ اور دوسرا بجز ہنسی اور تمسخر کے کوئی جواب دے
تہذیب و اخلاق کا تو یہ مقتضا ہے کہ کوئی سلام علیک کہے تو سننے والے
اوس کا جواب دینا لازمی ہے اسکو "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"
کہنا چاہیئے۔ یہ لڑکیاں صرف وعلیکم السلام ہی کہتیں تو بھی غنیمت تھا۔ لیکن
چونکہ یہ بدتمیز تھیں اور تہذیب و شائستگی انہوں نے سیکھی نہ تھی۔
اس لیئے یہ ایک اجنبی آدمی کو دیکھ کر بھی چپ ہو رہیں اور بجز دانت
نکالنے اور ہنسنے کے ان کو اوس وقت کوئی جواب نہ سوجھا لیکن
فرشتہ تو ان کو تہذیب سکھانے لایا تھا۔ اس لیئے اوس نے ان کی
اس بیہودگی پر کچھ خیال نہیں کیا۔ اور نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ
دریافت کیا کہ:۔

"رات آرام سے گذری؟"

اس پر بھی مریم نے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی بہن آسیہ سے کہنے لگی کہ

"کہ عجیب طرز کا یہ شخص ہے؟"

لڑکیوں کی اس حرکت سے فرشتہ کو بہت رنج ہوا لیکن خاموش ہوا

چلا گیا اور . امنٹ بعد کھانے کا خوان لایا جس میں پراٹھے اور انڈے کی
ٹکیاں تھیں ۔ دو پیالے دودھ کے تھے ۔ اور ایک پیالی میں شہد تھا ۔ یہ سب
ایک پاکیزہ خوان میں رکھا ہوا اور اُس پر ایک نہایت صاف شفاف
دسترخوان ڈھکا ہوا تھا ۔ فرشتہ نے کھانے کا خوان لڑکیوں کے سامنے
رکھا اور کہا کہ :۔

"لو بسم اللہ کرو ۔ کھانے کے بعد ہم تم کو کام بتائیں گے ۔"

لیکن لڑکیوں نے کچھ جواب نہ دیا حالانکہ اُن کو چاہیے تھا کہ شکریہ
ادا کرتیں ۔ میزبان کی مہربانی سے متاثر ہو کر مسرت کا اظہار کرتیں ۔ لیکن بجائے
اس کے فرشتہ کا منہ تکتی رہ گئیں ۔ باوجود اس کے کہ فرشتہ کو ان کی
یہ روش بُری معلوم ہوئی مگر پھر بھی اُس نے دریافت کیا کہ :۔

"کیا تم کو دودھ پسند ہے ؟"

مریم نے بجائے جواب دینے کے من بھر کا سر ہلا دیا ۔ لیکن چار انگل کی
زبان نہ ہلائی گئی ۔ اور آسیہ نے تو سر بھی نہ ہلایا ۔ بلکہ بجائے زبان ہلانے کے
اپنے منہ میں اُنگلی ٹھونس لی ۔ آخر فرشتہ چلا گیا ۔ اور اس فرشتہ کے
جاتے ہی ان لڑکیوں نے باسی منہ کھانا شروع کیا ۔ حالانکہ وہاں سیلاپچی

آفتابہ۔ منجن۔ مسواک اور اُبٹن سب موجود تھا۔ لیکن خدا بُری عادت کا بھلا کرے۔ نہ منہہ دہویا نہ ہاتھ۔ ہُوکے زدہ کی طرح کھانا شروع کر دیا۔ کھانا کھاتے ہیں نظر جو اُٹھی تو کیا دیکھتی ہیں کہ ایک درخت کی ڈال پر دو چڑیاں بول رہی ہیں۔ چڑیا تو گھونسلے میں بیٹھی انڈے سہہ رہی تھی چڑا اوس کے واسطے کھانا لایا تھا۔ چڑا جو کھانے کے لئے ایک کیڑا اپنے پنجہ میں پکڑ کر لایا تھا۔ اُس نے آتے ہی چڑیا کو :۔

"سلام علیک"، کیا۔

چڑیا نے :۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

جواب دیا۔

چڑے نے کہا :۔

"آج کیسی خوشنما صبح ہے"

چڑیا نے کہا۔

"حمد ہے اوس خالق کی جس نے اندہیری رات کو گذار کر روز روشن دکھایا۔ واقعی آج بہت ہی سہانی صبح ہے"

چڑے نے وہ کیڑا اپنی چونچ سے چڑیا کے سامنے رکھا:۔

چڑیا نے:۔

"شکریہ ادا کیا"

چڑے نے کہا:۔

"آج اس درخت پر دو ہونق لڑکیاں بیٹھی ہیں جو ایک سال ہم کو گھورے جاتی ہیں"

چڑیا نے کہا:۔

"کوئی بیہودہ ہیں۔ ان کے ماں باپ نے ان کو تمیز نہیں سکھائی

یہ کہہ سنکر آخر چڑا اُڑ گیا۔ اب ان لڑکیوں کو خیال آیا کہ:۔

ہم سے تو جانور ہی اچھے ہیں۔ جنھوں نے آپس میں سلام کا جواب دیا اور شکریہ ادا کیا۔ ہمارے واسطے ایک شخص کھانا لایا تھا۔ اور اُس نے سلام بھی کیا تھا۔ نہ ہم نے سلام کا جواب دیا نہ شکریہ ادا کیا۔ نہ اوس کی بات کا جواب دیا"

اب یہ نادم ہوئیں۔ اور پکا ارادہ کر لیا کہ:۔

اب جب وہ آوے گا تو ہم بھی ضرور سلام کا اور اوس کی



ہم سے تو جانور ہی اچھے

بات کا جواب دیں گے۔ افسوس ہے کہ جانور بھی یہ کہتے ہیں کہ ہماری والدہ نے ہم کو کچھ نہیں سکھایا۔

اوس وقت تو ادن کو بہت ہی شرم آئی تھی لیکن چونکہ فرشتہ کی آنے میں دیر ہوئی اس لئے وہ سب کچھ بھول گئیں۔ جب یہ فرشتہ آیا تو اس نے دیکھا کہ لڑکیاں کھانا کھا کر فارغ ہو گئی ہیں۔ لیکن برتن ویسے ہی جھوٹے پڑے ہوے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر اُس فرشتہ کو افسوس ہوا لیکن چوں کہ اوس کو تربیت دینا منظور تھا اُس نے بہت ہی نرمی سے آسیہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا:۔

تم ان برتنوں کو صاف کر کے سلیقہ سے رکھدو۔ میں مریم کو کسی کام کو بھیجتا ہوں۔ تاکہ یہ میرا پیام پہونچا دے۔"

یہ کہہ کر یہ لڑکا جو بظاہر آٹھ نو سال کا معلوم ہوتا تھا بہت آرام سے مریم کو درخت کے نیچے لے آیا۔ اور جب یہ زمین پر کھڑی ہوئی تو اس سے کہنے لگا:۔

"تم یہاں سے سیدھی چلی جاؤ۔ اور جب بڑ کے درخت کے نیچے پہونچو تو اوس کی جڑوں کے چاروں طرف غور سے دیکھنا

تم کو ایک چھوٹی سی کھڑکی دکھائی دے گی جو ایک مُہر کے برابر ہوگی۔
اُسی جگہہ تم کھٹکا کرنا۔ اور تھوڑی دیر خاموش کھڑی رہنا یہانتک
کہ کھڑکی کھل جائے "

مریم نے کہا:۔

"اچھا"

پھر اُس (فرشتہ) نے کہا کہ:۔

"وہاں تم کو ایک لڑکا میرا ہم شکل ملے گا اوس کو میرا یہ پیام
پہونچا دینا کہ بھائی رحمت نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ آج نہیں آئینگے
اُن کو شہر مین بہت کام ہے"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اور مریم روانہ ہوئی راستہ میں کثرت سے نہایت
خوشنما پھول، رنگ برنگ کی جھاڑیاں، اور شفاف پانی سے لبریز فرحت
بخش چشمے جن پر تیتریاں اُڑ رہی تھیں۔ اور رنگا رنگ کی چڑیاں چہچہا رہی تھیں
نظر آئے۔ مریم اس قدرتی تماشہ کو دیکھنے میں محو تھی۔ اور ہر جگہہ کہیں کھیلتی
کہیں پھول توڑتی، کہیں چشمہ کے کنارہ پر بیٹھ کر پانی کی روانی دیکھتی
اور ہاتھ منہ دہوتی۔ کہیں تیتریوں کو پکڑنے دوڑتی، اور کہیں چڑیوں کی

بوقلموں پردوں کی بناوٹ کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتی چلی جارہی تھی۔
یہاں تک کہ بہت دیر کے بعد بڑ کا درخت ملا جو بہت دور نہیں تھا آخر
وہ کھڑکی بھی نظر آئی۔ اس نے وہاں جاکر کھٹکا کیا۔ اور رحمت کی ہدایت کے
مطابق ٹھیری رہی۔ لیکن جب کھڑکی کُھلی تو ایک لڑکے نے جو رحمت کی ہمشکل
تھا چہرہ نکال کر دریافت کیا کہ۔

کیا کام ہے؟ کیا میں آپ کے واسطے کچھ کرسکتا ہوں؟ لیکن مریم
اتنی دیر میں رحمت کا پیام بھول گئی۔ کیونکہ اُس کو بات پر غور کرنے اور
یاد رکھنے کی عادت ہی نہ تھی۔ یہ لڑکیاں بہت ہی لاپروا تھیں۔ ان ہی وجوہ سے
ان کی ماں نالاں تھی۔ اب مریم خاموش بے وقوفوں کی طرح کھڑی مُنھ تک
رہی تھی جب اُس نے مکرر دریافت کیا تو گردن نیچی کرلی۔ جب پھر پوچھا کہ

"آخر تم کیوں آئی ہو؟"

مریم نے کہا کہ:۔

"مجھ کو بھائی رحمت نے پیام دے کر بھیجا ہے لیکن میں اُن کا پیام
بھول گئی۔"

اُس نے کہا:۔

"جب پیام ہی یاد نہیں تو پھر جاؤ اور پوچھ کر آؤ"

آخر مریم واپس چلی - اور بہت ہی غور و خوض کرنے لگی کہ کیا کہا تھا آدھا راستہ چلی ہوگی کہ اُس کو وہ پیام یاد آگیا۔ اور پھر وہاں سے واپس ہوئی دروازہ پہونچ کر دستک دی - پھر وہ لڑکا آکر کھڑا ہوا - اور اس نے یہ پیام دیا کہ

"بھائی رحمت نے کہا تھا کہ میں کل تک نہیں آؤں گا مجھ کو شہر میں کام ہے"

یہ پیام دے کر خوشی خوشی واپس آئی اور اس عرصہ میں آسیہ نے نلکیا پر جا کر تمام برتن صاف کرنے کا ارادہ کیا - اور جب یہ برتن صاف کرنے کو بیٹھی تو اُس کو ایک گھر نظر آیا اس لڑکی کو تاک جھانک کی عادت تھی - یہ بے تحاشا گھر کی جانب دوڑی جیسے ہی گھر کے نزدیک پہونچی اور دیکھنے کا ارادہ کیا کہ پردہ گر گیا - آسیہ نے خیال کیا کہ :-

"کسی نے پردہ کھینچا ہوگا"

دوسری جانب گئی تاکہ دوسری کھڑکی سے دیکھے - وہاں بھی یہی ہوا تب اس نے خیال کیا کہ -

"دروازہ کی جانب سے دیکھنا چاہئے"

جب اس نے دیکھا تو وہاں سے ایک بوڑھی عورت برآمد ہوئی اور اُس نے نہایت ہی شیریں زبانی سے دریافت کیا کہ :-

"کیا چاہتی ہو"

آسیہ نے کہا کہ :-

"کچھ نہیں۔ میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جب میں آپ کے گھر کے اندر دیکھتی ہوں تو آپ پردہ کھینچ لیتی ہیں"

بوڑھی عورت نے جواب دیا کہ :-

"میں نہیں کھینچتی بلکہ میرے گھر کے پردوں میں ہی یہ صفت ہے کہ اگر کوئی اندر دیکھنا چاہے تو وہ پردے فوراً گر جاتے ہیں -

آسیہ نے کہا میں نے تو کسی گھر میں یہ بات نہیں دیکھی - بوڑھی عورت نے کہا کہ کیا تم دوسروں کے گھروں میں جھانکنا اچھا سمجھتی ہو"

آسیہ نے کہا :-

"میری والدہ تو مجھ کو بہت منع کرتی ہیں لیکن میں اس میں کچھ بُرائی نہیں سمجھتی"

بوڑھی عورت نے کہا :-

"یہ سخت عیب ہے۔ خاص کر لڑکیوں کے واسطے مسلمان لڑکیاں
اگرچہ سب ہی بچپن میں باہر پھرتی ہیں لیکن ذرا ہوشیار ہوتے ہی
پردہ میں رہتی ہیں۔ جن لڑکیوں میں تاکنے جھانکنے کی عادت
پائدار ہو جاتی ہے۔ وہ سواریوں میں بھی جھانکتی جاتی ہیں اور
اس طرح سے بہت سے نامحرموں کی آنکھ اُن پر پڑتی ہے۔ جس سے
طرح طرح کے فتنہ و فساد اُٹھتے ہیں"

پھر بوڑھی عورت نے آسیہ سے پوچھا کہ:۔

کیا تم نے کلام مجید پڑھا ہے"

اُس نے کہا:۔

جی ہاں پڑھا ہے۔ پھر تم نے قد افلح المومنون کے پارہ میں
سورہ نور کی اُن آیتوں پر بھی غور کیا ہے۔ جو پردے کے متعلق ہیں

آسیہ نے کہا:۔

"جی میں نے بامعنی قران مجید نہیں پڑھا"

بوڑھی عورت نے کہا کہ:۔

"بچی! ایسا قران مجید پڑھنے سے کیا فائدہ کہ احکام الٰہی کا مطلب ہی

نہ سمجھا جاوے۔ افسوس! فی زمانہ اسلام صرف گوشت کھانے کو سمجھ لیا ہے۔ ورگوشت بھی کونسا گوشت صرف گائے کا۔ لیکن اس میں تمہارا قصور نہیں بلکہ ہوا ہی ایسی چل رہی ہے آیئے سنو اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں حکم دیتا ہے۔

وَقُل لِّلْمُؤْمِنَٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَٰرِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَآئِهِنَّ أَوْ أَبْنَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ أَخَوَٰتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُنَّ أَوِ ٱلتَّٰبِعِينَ غَيْرِ أُو۟لِى ٱلْإِرْبَةِ مِنَ ٱلرِّجَالِ أَوِ ٱلطِّفْلِ ٱلَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا۟ عَلَىٰ عَوْرَٰتِ ٱلنِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

ترجمہ۔ اور (اے پیغمبر) مسلمان عورتوں سے کہو کہ (وہ بھی) اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو اس میں سے چار و ناچار کھلا رہتا ہے (تو اُس کا ظاہر

ہوئے دینا مضائقہ کی بات نہیں۔ اپنے سینوں پر دوپٹوں کے بکل مارے رہیں اور اپنی زینت (مقامات) کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر اپنے خاوند کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں یا اپنے بھائیون پر یا اپنے بھتیجون پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی (یعنی اپنے میل جول کی) عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال (یعنی لونڈی غلاموں) پر (یا گھر کے لگے ہوئے ایسے) خدمتیوں پر کہ مرد تو ہیں (مگر عورتوں سے) کچھ غرض (و مطلب) نہیں رکھتے (جیسے خواجہ سرا یا بڈھے بہوس) یا لڑکوں پر جو عورتوں کے پردے (کی بات) سے آگاہ نہیں (اور چلتے ہیں) اپنے پاؤں ایسے زور سے نہ رکھیں کہ (لوگوں کو) اُن کے اندرونی زیور کی خبر ہو اور مسلمانو! تم سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم (آخر کار) فلاح پاؤ۔

اس کا کیا مطلب ہے؟ یہی ہے کہ اپنی خواہشات کی آنکھیں بند کرو کیونکہ تاکنے جھانکنے کی عادت معیوب ہی نہیں بلکہ ایک گناہ ہے۔ اس لئے مرد و عورت دونوں کو اس سے منع کیا گیا ہے۔

آسیہ نے کہا کہ:-

آپ نے اسی لئے اپنے مکان میں پردے ڈال رکھے ہیں۔ اچھا تو

"ایک مرتبہ میں پھر دیکھتی ہوں۔ یہ معلوم کرنے کو کہ جھانکنے سے یہ پردے
کیوں گر گر جاتے ہیں"
بوڑھی عورت نے کہا:۔
"نہایت شوق سے"
آسیہ پھر کھڑکی کی جانب گئی کہ پردے فوراً گر گئے۔
آسیہ نے کہا کہ:۔
"اب میں کوشش کروں گی کہ میری یہ عادت چھوٹ جائے
اب مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں آپ کی کھڑکیوں کی جانب سے
نکلوں۔ اور پھر میں جھانکنے کی کوشش نہ کروں گی"
بوڑھی عورت نے کہا:۔
"بہت اچھا۔ خوب کوشش کرو"
یہ لڑکی کھڑکی کی جانب گئی اور مصمم ارادہ کر لیا کہ نہ دیکھوں۔ لیکن خراب عادت
جب پائدار ہو جاتی ہے تو اوس کا چھوٹنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ آخر
اوس کی نظر اوس طرف جا ہی پڑی۔ اور فوراً کھڑکی کا پردہ گر گیا۔ پھر
تیسری مرتبہ اس نے کوشش کی۔ اور پھر بے اختیاری میں نظر کھڑکی کی

جانب گئی اور پردہ گرا چوتھے مرتبہ اس نے نہایت مضبوطی سے اپنے دل کو روکا اور کھڑکی کی جانب نہ دیکھا۔ پردہ بھی نہیں گرا یہ لڑکی خوش خوش اوس بوڑھی عورت کے پاس پہونچی اور اُس سے کہنے لگی کہ دیکھو!

"میں نے اس وقت بالکل گھر کی جانب نہیں دیکھا"

اوس مہربان (بوڑھی) عورت نے کہا:۔

"دیکھو پردہ بھی نہیں گرا۔ کسی کے گھر میں جھانکنا۔ یا دو شخصوں کی گفتگو کو کان لگاکر سننا نہایت عیب میں داخل ہے"

آسیہ نے کہا:۔

"میری والدہ ہمیشہ مجھ کو منع کرتی تھیں۔ لیکن افسوس ہے کہ میں نے اپنی عادت کو ترک کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب ایسا نہیں کروں گی"

سن رسیدہ (عورت) نے کہا کہ:۔

"تم کو ضرور یہاں فرشتۂ رحمت لایا ہوگا"

آسیہ نے کہا کہ:۔

"یہ تو ہم کو معلوم نہیں کہ یہاں ہم کو کون لایا۔ البتہ اتنا جانتی ہوں کہ

صبح کو میں نے اپنے آپ کو ایک درخت پر پایا۔ جہاں ایک ایسا جھونپڑا تھا جیسے کسان اپنی کھیت کی حفاظت کے لئے کونڈوا بناتے ہیں"

سن رسیدہ (عورت) نے کہا:۔

"ہاں یہ رحمت ہی کا کام ہے"

آسیہ نے کہا:۔

"ہاں جب ہم کو صبح یہاں ہوئی تو ایک لڑکا جو بالکل فرشتہ صورت تھا اوس نے ہمارے سامنے ناشتہ کا خوان لاکر رکھا اور بعد فراغت ناشتہ میری بہن کو اس طرف یہ کہہ کر بھیجا کہ سامنے تھوڑے فاصلہ پر ایک بڑ کا درخت ہے وہاں جاؤ۔ تم کو میرا ہم شکل ایک لڑکا ملے گا۔ اُس کو میرا یہ پیام پہونچا دینا کہ بھائی رحمت کل تک نہیں آئے گا۔ میری بہن تو چلی گئی۔ مجھ سے رحمت نے کہا کہ برتن صاف کر لینا"

سن رسیدہ (عورت) نے کہا کہ:۔

"پھر تم نے برتن صاف کر لئے"

آسیہ نے کہا کہ :-

"نہیں ابھی تک ویسی ہی پڑے سوکھ رہے ہیں"

سن رسیدہ (عورت) نے کہا :-

"تو بیٹی پھر جلدی صاف کر لو"

سنو!

"جب تم گھر واپس جاؤ اور تمھارا دل جھانکنے کو چاہے۔ یا لوگوں کے راز دریافت کرنے کا شوق پیدا ہو تو اس گھر کی کھڑکیوں کے قصے کو یاد کر لینا۔ اور جن باتوں سے تمھاری ماں تم کو منع کرے۔ اُن کو چھوڑنے اور نہ کرنے کی ہمیشہ کوشش کرنا"

آسیہ نے کہا :-

"میں ضرور ایسا ہی کروں گی اور ہمیشہ آپ کو یاد کروں گی"

سن رسیدہ (عورت) نے کہا کہ :-

"یہ اقرار تمھاری زبان سے سن کر میں خوش ہوں" اور جلدی سے اپنے گھر میں چلی گئی۔

اس عرصہ میں اوس کی بہن بھی آگئی۔ آسیہ نے شروع سے آخر تک اپنا

تمام قصہ مریم کو سنایا۔ اور مریم نے آسیہ کو۔

آسیہ کہنے لگی :۔

"کاش ہم گھر جاتے اور یہ تمام قصہ اپنی ماں کو سناتے"

یہ کلمات ابھی ختم نہیں ہوئے تھے کہ رحمت آموجود ہوا۔ اور کہنے لگا کہ :۔

"تم اب اس جھونپڑے میں گھبرا گئیں"

آسیہ نے کہا "ہاں"

مریم بولی :۔

"گھبرائے تو نہیں لیکن والدہ کے دیکھنے کو دل چاہتا ہے"

رحمت نے کہا :۔

"اے بھتیجیو! تم کو اس کا بھی خیال ہے کہ جب اولاد والدین کا کہا
نہیں مانتی ہے تو وہ کیسے پریشاں خاطر رہتے ہیں"
تمھاری ماں بڑی نیک دل بی بی ہے۔

یہ کہہ کر رحمت ان کو جیسے لایا تھا لے گیا۔ اور لڑکیوں نے اپنے گھر پہنچ کر رحمت کا شکریہ ادا کیا اور جب وہ جانے لگا تو انھوں نے خداحافظ کہا۔ اُنکی ماں نے بھی اظہار شکر گذاری کیا۔ اور کہنے لگی کہ :۔

"تمہاری تربیت نے ان کو نیک اور خوش خلق، مستعد، اور شکر گذار بنا دیا ہوگا"

رحمت چلا گیا۔ اور ان کی ماں کی آنکھ کھُل گئی دوڑ کر اپنی لڑکیوں کو جا کر دیکھا۔ وہ اسی وقت بیدار ہوئی تھیں۔ ماں کو دیکھ کر لپٹ گئیں۔ اور اپنا خواب بیان کرنے لگیں۔ ماں حیران و متعجب ہو کر ان کی صورت دیکھتی تھی دل میں کہتی تھی کہ یہ عجیب خواب ہے کہ جو میں دیکھ رہی تھی وہ ہی ان لڑکیوں نے بھی دیکھا۔ صرف ابتدا میں تھوڑا فرق ہے۔ جب کہ میں نے آواز سنی تھی اور کسی نے مجھ سے پوچھا تھا کہ تو کیا چاہتی ہے۔ اور میں نے کہا تھا کہ میں چاہتی ہوں کہ میری لڑکیاں مہذب اور سلیقہ مند ہو جائیں۔ پھر فرشتہ نے لیجانیکی اجازت چاہی اور میں نے طوعاً و کرہاً اجازت دی۔ اور میری آنکھوں کے سامنے سے گڑیوں کی طرح اوڑھا کرلے گیا باقی جو کچھ اُن پر وہاں گذرا وہ میں دیکھ رہی تھی۔ اور لڑکیاں بھی وہ ہی واقعات بیان کرتی ہیں جو میں دیکھ چکی ہوں۔ غرض بجز اس کے کہ میں یہ خیال کروں کہ اوس وقت میں بہت تھکی ماندی تھی اور نہایت پریشانی کی حالت میں بے چین ہو کر میں نے دعا کی تھی وہ بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی اور خدا ے تعالےٰ نے اپنی رحمت سے

اِن کی تربیت کے سامان کر دیے اُسی روز سے یہ لڑکیاں بہت ہی صاحب سلیقہ اور فرماں بردار ہوگئیں۔

جب داؤدی نے قصّہ ختم کیا تو گلاب سنے نہایت درد انگیز آواز میں حافظ شیرازی کے یہ چند شعر پڑھے۔

ایں چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم	ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم
ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد	ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر می بینم
دختران راہمہ جنگ ست و جدل با مادر	پسران راہمہ بدخواہ پدر می بینم

تمام حاضرین پر سکوت تھا اور عجب قسم کے جذبات پیدا ہو رہے تھے۔ جب یہ نظم ختم ہوئی تو کہا:-

"عزیز بچو! یہ کہانی ذرا غور سے سنو اور عبرت و سبق حاصل کرو۔"





کہانی گلاب کی زبانی

ایک شخص دنیا کے جھگڑوں ٹنٹوں سے بہت بیزار تھا اور ہمیشہ غور و فکر کیا کرتا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ جس طرف سنو جھگڑے اور فساد کے ہی قصے سنو۔ ماں بیٹوں میں جنگ ہے۔ باپ، بیٹوں میں فساد ہے۔ بہن۔ بھائی سے بیزار ہے۔ بھائی، بھائی کا دشمن ہے۔ کسی میں بوئے الفت نہیں ہے۔

ایک رات وہ پلنگ پر لیٹا ہوا یہی خیال کر رہا تھا اور اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ اُس کی آنکھ لگ گئی تو عالم خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ میں تمام دنیا کا گشت کر کے اب ایک میدان میں کھڑا ہوں اور اُس کے قریب

ایک گاؤن ہے جو پہاڑی کے نیچے بسا ہوا ہے اس میدان میں اُس نے دیکھا کہ ایک بہت خوبصورت آدمی پہاڑ پر سے اُتر کر آرہا ہے۔ جب یہ قریب آیا تو اس نے آنے والے کو جس کا نام کامل تھا سلام کیا۔ کامل نے سلام کا جواب دیکر دریافت کیا کہ:۔

"آپ کا اسم شریف:۔

اُس نے جواب دیا کہ:۔

"مجھ کو رحمت کہتے ہیں"

کامل نے کہا:۔

"آپ کیوں ایسے پریشان سے ہیں اور کیوں آپ کے چہرہ سے افسردگی کا اظہار ہو رہا ہے، اگرچہ مجھے کوئی حق دریافت کرنے کا نہیں کیونکہ پہلے سے میرے آپ کے شناسائی نہیں ہے لیکن آپ کے نورانی چہرہ پر نظر پڑتے ہی دل میں ایک کشش ہو گئی اور بے اختیار آپ کی افسردگی دیکھکر یہ کلمۂ زبان سے نکل گیا اس لئے میں نے دریافت کیا کہ افسردگی کا کیا باعث ہے۔ اگر ناگوار خاطر گذرا ہو تو معاف فرمایئے۔ اور اگر اس افسردگی کا سبب بیان

کرنے میں کچھ پس و پیش نہ ہو تو ارشاد فرمائیے شاید بندہ آپ کی اس افسردگی کو دور کرنے میں کچھ مدد دے سکے کیونکہ مجھے لوجہ اللہ آپ سے محبت ہو گئی ہے "

رحمت نے کامل کی یہ بات سن کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا کہ:-

" بھائی میں اس فکر میں حیران و پریشان ہوں کہ دنیا میں محبت اور مہربانی کیوں ناپید ہوتی جاتی ہے۔ دیکھو! آج سارا دن گذر گیا اور میں دنیا بھر میں مارا مارا پھرا کہ کسی جگہ بھی دیکھوں کہ لوگ آپس میں محبت و الفت اور اتفاق و اتحاد سے رہتے ہوں اور ایک دوسرے کا سچا خیر خواہ ہو اور بے غرض و بے لوث ہو کر طاقتور کمزور کی مدد کرتا ہو۔ اعلیٰ ادنیٰ کو اپنا بھائی اور ہم جنس سمجھ کر اس کو بھی بام ترقی پر چڑھانے کی کوشش کرتا ہو لیکن دنیا کو بالکل حافظ شیرازی کی اس غزل کے مطابق پایا جس کا پہلا شعر یہ ہے:-

این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم۔ ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

میں چین گیا۔ وہاں دیکھا کہ چینیوں کو جاپان کے جھگڑوں سے فرصت نہیں ہے۔ دنیاوی لالچ نے ایک کو دوسرے کا دشمن بنا رکھا ہے



افسردگی کا کیا باعث ہے

جاپان چینیوں کی ترقی میں سد راہ ہے اور اس فکر میں ہے
کہ کسی طرح وہ پستی سے بلندی پر نہ پہونچے اور ہمیشہ اُس کے
زیر اثر رہے۔ چینی جو ایک عرصہ سے غفلت کی گہری نیند میں
پڑے سو رہے تھے اور جن کے جسمانی و دماغی قویٰ منشّی
چیزوں کے استعمال کی وجہ سے بہت کمزور پڑ گئے ہیں۔ خدا
خدا کر کے اب کچھ بیدار ہوے ہیں اور ترقی کے میدان میں
قدم رکھنا چاہتے ہیں لیکن اپنے پڑوسی کی مہربانی سے تمام
میدان خارزار پاتے ہیں پھر کیوں کر وہ ترقی کر سکتے ہیں۔

اگرچہ جاپان کے لوگ محنتی، جفاکش، سمجھدار اور ذہین
ہیں مگر مکر و فریب اور حرص و لالچ نے اُن کو اندھا بنا رکھا ھے
لیکن آپس میں اتفاق رکھتے ہیں۔ اور اپنے ملک کی ترقی
میں کوشاں ہیں اور اپنی قوم کے ہمدرد ہیں۔ البتہ وہاں
مجھ کو چند قطرے آب محبت کے ملے۔

پھر جرمن گیا اور وہاں کی حالت پر غور کرنے سے معلوم
ہوا کہ اہل جرمن اپنی تہذیب و تمدن اور سائنس پر اسقدر

نازاں ہیں اور اپنی ہوشیاری پر اس قدر مغرور ہیں کہ وہ اپنا ہم سر کسی کو نہیں سمجھتے اور نعوذ باللہ اپنے آپ کو علم و ہنر کا خدا سمجھتے ہیں اور اسی خیال نے اون سے اس قدر کشت و خون کرایا کہ الاماں الاماں۔ حالانکہ برطانیہ (برٹش) سے ان کا قدیمی اور نزدیک کا رشتہ ہے لیکن ان میں بوے الفت کا نام تک نہیں ہے اور ان کے یہاں جو محبت ہے اُس میں زہر ملا ہے۔ کیونکہ ان کی جنگ جوئی نے ان ہی کو تباہ کرڈالا ہے

بلجیم بیچارے نے تھوڑی سی ہمدردی کی تھی تو جرمن نے اُسے تباہ ہی کردیا۔

روسیوں نے نہایت بے رحمی اور ظالمانہ طریقہ سے اپنے بادشاہ اور بادشاہ بیگم کو قتل کرڈالا اور تمام ملک قتل و غارت اور شر و فساد کا مزرع بنا ہوا ہے۔

انگلستان میں دوسری ہی حالت ہے۔ مختلف خیالات کے آدمی حقوق طلبی کے لئے عجب عجب حرکتیں کر رہے ہیں ہڑتالیں اور اسٹرائک نے مخلوق کا ناک میں دم کردیا ہے۔

اہل فرانس پر عیش پسندی کا ایسا نشا چڑھا کہ وہ اُس میں مدہوش ہوکر فیشن کے دلدادہ ہو گئے اور دشمن نے کمزور سمجھ کر جو حملہ کیا اُس سے تمام ملک کو تباہی کا سامنا ہوا تب جاکر اپنے وطن اور قوم کی محافظت کے لئے وہ چونکا۔

ہندوستان آیا تو یہاں کے لوگوں میں بھی بے حد نفاق پایا اور ایک کو دوسرے سے بدظن دیکھا۔ ذرا ذرا سی مذہبی تعصبات پر وہ وہ بے رحمی کی حرکتیں ہوتی ہیں کہ پناہ بخدا۔ غرض جہاں دیکھا خود غرضی اور طمع کا دور دورہ پایا۔

یورپ میں یہ بات قابل تعریف ضرور ہے کہ وہاں کے مالدار لوگ غربا کی امداد کرتے ہیں۔ بیکاروں کو کام سے لگا دیتے ہیں کارخانے، ہسپتال، مدارس قائم کر رکھے ہیں۔

ہندوستان میں تو ہمدردی کے پردہ میں بھی ضرور کچھ نہ کچھ خود غرضی ہوتی ہے۔ اول تو یہاں کے لوگوں میں علم کی بہت کمی ہے دوسرے مختلف قومیں ہونے کی وجہ سے نااتفاقی ہے تیسرے امرا کو عیش و عشرت اور سیر و شکار سے

فرصت نہیں ہے۔ تاجر ہیں تو روپیہ کمانے اور ہُوٹنے میں منہمک ہیں بہت تھوڑے نیک دل لوگ ہیں جنہوں نے سوسائیٹیئں اور انجمنیں قائم کرکے اتفاق وہمدردی کی تخم پاشی شروع کی ہے۔ لیکن بعض ان میں بھی ایسے ہیں جن میں خلوص کم ہے اور شہرت وناموری کی خواہش زیادہ ہے۔

جب میں نے یہ کیفیت دیکھی اور انسانوں کی حالت سے ناامیدی ہوئی تو میرے دماغ میں یہ خیال، پیدا ہوا کہ یہی لوگ اولئٹ کا لانعام بل ھم اضل (یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر ہیں) کے مصداق ہیں۔

ان الفاظ اور اَضَلُّ "نے مجھ کو خیال دلایا کہ جانورونکی حالت بھی دیکھوں چنانچہ میں جنگل جنگل اور جانوروں کے گلوں اور طویلوں وغیرہ میں پھرا۔

اول میں نے خیال کیا کہ جنگل میں جاکر جنگلی جانوروں کی حالت دیکھوں اس لئے جنگل کی راہ لی خرگوشوں کے گھروں کو جاکر دیکھا، پھر چھچوندروں اور چوہوں کے بلوں میں گیا۔ دیمک کے

بیٹھے دیکھے، جنگل کی چڑیوں کی حالت دیکھتا پھر آخر تھک کر
اپنے گھر کی راہ لی۔

جب گھر پہونچا تو دیکھا کہ میری بہن میرے واسطے کھانا لیئے
بیٹھی ہے اور میرا انتظار کر رہی ہے۔ میری ماندگی اور خستگی کو
دیکھکر افسوس کرنے لگی۔

اُس نے کہا کہ تم کہاں کہاں پھرے جو اس قدر ویدہ میں
پریشان ہوکر آئے ہو اور اس پریشانی کا یہی نتیجہ ہے کہ صرف
آدھی بوتل تمھارے ہاتھ میں ہے۔

میں نے قصہ سُنانا چاہا لیکن اُس نے کہا کہ "پہلے تم
کھانا کھالو اُس کے بعد پھر میں تمھارا قصہ سنوں گی"
غرض میں نے کھانا کھایا اور اپنی چوبیں گھنٹے کی سرگزشت
سُنائی۔

جب میں نے خرگوشوں کے گھر میں جاکر دیکھا تو ایک
دوسرے سے اس قدر لڑ رہے تھے کہ اُن کے تمام بال
اُکھڑے ہوئے پڑے تھے اور یہ جنگ کس بنا پر تھی۔ صرف چنے کی

چند ڈالیوں پر جو کسی کسان کے گٹھے سے گر گئی تھیں۔

ایسا ہی چوہے روٹی کے ایک ٹکڑے پر لڑے مرتے تھے چھچوندریں اور گھونسیں بھی صرف چند دسترخوان کے پس ماندہ ٹکڑوں پر لڑ رہی تھیں چنانچہ مہربانی و محبت کا ایک قطرہ بھی مجھ کو وہاں سے نہیں ملا۔

آخر میں چڑیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ وہاں دیکھا کہ بلبل لڑ رہی ہیں بٹیریں الگ کٹی مرتی ہیں۔ تیتروں میں لڑائی ہو رہی ہے چیل اور کوّے چڑیوں کے ننھے ننھے بچوں پر جھپٹا مارتے ہیں اور شہروں میں تو یہ غضب ہے کہ انسان تو لڑتے ہی ہیں لیکن وہاں کے بے فکروں کا یہ ایک مشغلہ ہے کہ مرغ، تیتر، بلبل کو سکھا کر لڑواتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں، مینڈھے لڑاتے ہیں، بھینسے لڑاتے ہیں اور گویا یہ اُن کی تفریح کے سامان ہیں غریب جانور جو نیم جاں ہوتے ہیں اُن کی فتح و شکست پر یہ اور قہقہہ لگاتے ہیں۔

کس قدر سنگ دلی ہے اور حالانکہ اسلام نے ایسی تفریحوں کی ممانعت کی ہے مگر مسلمان بھی اس کی پروا نہیں کرتے۔

پھر درندوں کے جنگل دیکھنے ہاں تو درندگی اور بہیمیت ہونی ہی چاہیئے تھی
بعض اپنی ہم جنسوں اور برابر والوں سے لڑتے ہیں اور بعض کمزوروں پر
حملے کرتے ہیں۔ گینڈا ہاتی سے۔ اور ریچھ ریچھ سے لڑتے ہیں۔
چیتے اور شیر ہرن کی تاک میں رہتے ہیں۔ تیندوا، کتے پر حملہ
کرتا ہے اور بھیڑیا آدمیوں کی گھات میں رہتا ہے۔
خیال کیا کہ یہ صحرائی جانور ہیں ممکن ہے کہ شہری جانوروں میں
کچھ بوے الفت ہو گھر میں پہونچتے ہی نظر آیا کہ بلی کے بچے
آپس میں لڑ رہے ہیں اور وہ شور وغل ہو رہا ہے کہ کان پڑی
آواز نہین آتی۔ میں تھوڑی دیر ٹھہرا رہا کہ یہ جنگ ختم ہو تو میں
ان سے کچھ بات کروں لیکن کسی طرح جنگ ختم نہیں ہوئی
آخر میں نے سلام کیا لیکن اُنھوں نے اپنی چیں چیں میں کچھ
جواب ہی نہین دیا۔
میری بہن نے کہا کہ "وہ بھوکے ہوں گے"
بھائی کامل! دیکھو۔
بھوک میں بدمزاج ہونا کیا اچھی بات ہے؟ لیکن میری بہن

باتوں باتوں میں یہ بھی کہہ گئی کہ بھوکے شریف اور پیٹ بھرے گنوار سے ڈرنا چاہیئے۔ لیکن بھائی صاحب میں اس قول سے متفق نہیں ہوں خیر وہ تو جانور تھے اور بچے تھے جو دوسروں کے دست نگر تھے لیکن یہ انسانیت نہیں ہے کہ بھوکے ہوں تو جھگڑنے لگیں۔ اگر بھوکے ہیں تو محنت کرکے اپنی کمائی سے پیٹ بھریں غرض میں ٹھرا رہا اور مجھے ایک قطرہ شربت محبت کا نہیں ملا۔

میری بہن نے بوتل اوٹھا کر دیکھی اور کہنے لگی کہ آخر آدھی بوتل تو ہے یہ کہیں نہ کہیں سے تو ملی ہوگی۔ میں نے کہا کہ اس قدر محنت وجانفشانی کے بعد اتنا سا عرق ملا ہے۔

جب میں نے اور جانوروں کی یہ حالت دیکھی تو پھر میں مرغیوں کے دڑبے میں گیا وہاں بھی یہی افسوسناک حالت دیکھی کہ مرغی کے بچے ایک دوسرے کو لاتیں مار مار کر خونم خون کر رہے ہیں مرغ آپس میں کٹے مرتے ہیں مرغیاں ایک دوسرے کو مارے چونچوں کے بے جان کر رہی ہیں وہاں تو ایک منٹ بھی نہیں ٹھیرا۔"

بھیڑون کے گلّے مین گیا تو وہان کیا دیکھتا ہون کہ بھیڑ کا ایک مضبوط بچہ
اور بچوں سے جو کچھ بھی ہوتا ہے مار مار کر چھین لیتا ہے اور کھا جاتا ہے
اور جو چھوٹے اور کمزور ہیں وہ بھوکے رہ جاتے ہیں۔

مجھکو یہ دیکھکر بہت ترس آیا کیون کہ بھیڑ سب سے زیادہ
غریب جانور مشہور ہے۔ میں نے ایک قطرہ مہربانی کے عرق کا
اُن کے دانے میں جو بھیگا ہوا رکھا تھا ڈال دیا اور اس لالچی
بچے سے دریافت کیا کہ کیا تجھکو دانہ نہیں ملا جو تو دوسرون کو
کھانے نہیں دیتا۔ اُس نے کہا ملا تو ہے لیکن میرا پیٹ نہیں بھرا
میں اور کھانا چاہتا ہوں۔

سب بچے بول اوٹھے:۔ کم بخت لالچی! سب سے
زیادہ اس کو ملتا ہے لیکن یہ پھر بھی حریص ہے اور ہم سے
چھین کر ہمارے حصے بھی کھا جاتا ہے"

"الحق مرّ" اوس کو ان سب کی یہ شکایت بُری لگی تو
سب سے بدزبانی کرنے لگا۔ سچ ہے کہ جو شریف طبیعت ہوتے ہیں
وہ بدزبان کے منھ نہیں لگتے اور طرح دے جاتے ہیں لیکن

بدزبان یہ سمجھتا ہے کہ میں نے سب کو دبالیا اور اُس کی اس کمینہ عادت میں اور ترقی ہوتی جاتی ہے۔

غرض میں نے اُس کو تھوڑی سختی اور نرمی سے سمجھایا کہ یہ تمھاری بہت بُری عادت ہے اور مہربانی کا عرق اُس کے حلق میں ڈالدیا وہ لالچی جلیبی کہ اُس کی عادت تھی جلد اُس کو غٹک گیا اور میں وہاں سے ہنستا ہوا۔ اصطبل کی طرف گیا۔

وہاں دیکھا کہ سائیس سیف الملوک پر زین کسنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن گھوڑا کسی طرح قابو میں نہیں آتا لاتیں مارتا ہے الف ہوتا ہے کاٹنے دوڑتا ہے اور اصطبل میں ایک شور قیامت برپا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد اُس کا مالک آیا۔ اُس کے قریب گیا اور کہنے لگا کہ سیف آج تم کو کیا ہو گیا ہے ؟ جب یہ آگے بڑھا اور گھوڑے کی پیشانی پر ہاتھ پھیرنا چاہا تو اُس نے ہاتھ نہ پھیرنے دیا بلکہ اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ اُس کو اپنے پاس تک نہ آنے دیا۔

مالک نے گھوڑے کی یہ حالت دیکھکر تنہا سائیس کو بلایا اور کہا کہ یہ بدمزاج ہو رہا ہے تھوڑی دیر اس کو سامنے کہ میدان کی



حرص و ہوس اور کجروی کا انجام ہمیشہ برا ہے

دوب میں پھرنے دو اور آزاد چھوڑ دو تاکہ اس کی یہ بدمزاجی اور غصہ دور ہو جائے ننّدا نے اُس کو کھول دیا۔ پھر مالک نے ننّدا کو حکم دیا کہ بھیڑوں کو لیکر ہاٹ میں جائے جو اُس کے گاؤں سے دو ڈہائی کوس پر بھرتی تھی اور کُتّے کو بھی ہمراہ لینا جائے۔

جب ننّدا کتّے کے پاس آیا تو کتا بھونکنے لگا۔ زنجیر کو ہاتھو ہی نہیں لگانے دیتا تھا۔ ننّدا بہت پریشان ہوا۔ بہ مشکل تمام اُس نے کھولا پھر بھی کتا بجائے ننّدا کے ساتھ جانے کے گھوڑے کی طرف بھونکتا ہوا چلا اور اُس کے قریب جاکر خوب بھونکا گویا وہ سیف الملوک سے اپنی زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ میں کبھی بھیڑوں کے ساتھ نہیں جاؤں گا اور وہاں ایک ایسا شور و غل مچا ہوا تھا کہ کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے ننّدا بیچارہ حیران و پریشان تھا اور اُسکی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا تدبیر کرے۔

میں نے یہ حالت دیکھکر چند قطرے عرق محبت کے بوتل سے نکال کر کتّے اور گھوڑے کو پلا دیے کیوں کہ یہ دونوں وفادار جانور ہوتے ہیں۔

اور وہاں سے چل کر گئو سالہ میں آیا۔ یہاں دیکھا کہ دو گائیں

ایک بچھڑے پر لڑ رہی ہیں۔ سفید کہتی ہے کہ یہ بچھڑا میرا ہے

اور بھوری کہتی ہے کہ میرا ہے۔ بچھڑا بیچارا نہیں جانتا کہ کس کے

پاس جاے۔ وہ غریب دوسرے بچھڑوں کے ساتھ کھیلنے کو

چلا گیا۔ سفید گاے چلانے لگی۔ جب اہیرنی اس کا دودھ دوہنے

لگی تو اس نے لات مارنی شروع کیں۔

اہیرنی نے کہا کہ "بے وقوف گاے کیا کر رہی ہے جو لوگ

بدمزاج ہوتے ہیں اُن کو کوئی عزیز نہیں رکھتا"

اُس کا یہ کہنا غصہ سے نہیں تھا بلکہ بہت ہی ملائمت سے سمجھا

رہی تھی گاے پر ہاتھ پھیرتی جاتی تھی اور پھسلا رہی تھی اور کہتی جاتی تھی

کہ دیکھو اگر تم دودھ نہ دوگی تو تمھارے مالک کے بچے بھوکے رہیں گے

کیا تم کو اُنپر ترس نہیں آتا ؟ یہ کہکر اُس نے گاے کے سر پر ہاتھ پھیرا

اور گاے دودھ دینے پر راضی ہوئی۔

پھر اہیرنی نے کہا کہ آج تو خفا ہو رہی ہے اور میں بھی آج صبح

ایسی ہی رنجیدہ اُٹھی کیونکہ پاربتی کی طبیعت اچھی نہیں اور سخت بخشش

ہو رہی ہے میں اُس کو سمجھا کر اور دودا پلا کر آئی ہوں اور یہ کہہ آئی ہوں کہ بھیرا گائے
دودھ دے گی تو میں اُس کا دہی جما کر تمھیں کھلاؤں گی۔
یہ سنکر اُس کو تسکین ہو گئی مگر جب میں یہاں دودھ دہنی کی غرض سے
آئی تو تم کو غصہ کرتے دیکھا تم کیوں بھوری سے لڑ رہی ہو؟ اس بچھیرے پر
لڑائی ہو رہی ہے؟ واقعی یہ بچھیرا تمھارا نہیں ہے۔ رام سنگھ چودھری نے
آج صبح تمھارا بچہ ہاٹ میں بھیجدیا ہے۔
گائے کو جب یہ قصہ معلوم ہوا۔ اور اُس نے گجرا کی مہربانی کی باتیں سُنیں تو اُس کو
صبر آگیا اور دودھ دینے پر راضی ہو گئی اور پھر بھوری سے نہیں لڑی۔
میں نے دل میں کہا کہ خیر گجرا کی باتوں نے اُسے راضی کر لیا اور
مجھ کو اپنی بوتل کا عرق خرچ کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔
جب میں وہاں سے چلا تو ایک دوسری جگہہ دیکھا کہ بلی کے
دو بچے جن کا نام موتی اور گیندا ہے آپس میں لڑ رہے ہیں اور شور و غل مچ رہا ہے
موتی نوچ رہی تھی اور گیندا کاٹ رہا تھا منہہ سے تھوک بہہ رہا تھا۔
بُری اور کریہہ آواز نکل رہی تھی۔ خدا کی پناہ بلیوں کی لڑائی میں بھی
کیسا غل ہوتا ہے میں چھپکا دروازہ پر بیٹھ گیا اور اُن سے دریافت کیا کہ یہ کیسا

شور مچ رہا ہے۔

گیندا نے کہا کہ موتی نے مجھ کو نوچ لیا۔ موتی نے کہا کہ یہ میرے ساتھ کھیلتا نہیں ہے اور مجھ کو کاٹ لیا اور پھر لڑنا شروع کیا۔

یہ تمام واقعات دیکھکر مجھ کو بہت افسوس ہوا کہ دُنیا میں بجز جھگڑے بکھیڑوں کے اور کچھ بھی نہیں ہے اور میں ان کو سمجھانے لگا کہ دیکھو آپس میں لڑو جھگڑو نہیں۔ آپس میں دشمنی اور عداوت کرنے سے بجز نقصان کے اور کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مجھ کو بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے؟ یہ دونوں ایک ساتھ بولنے لگے کہ دیکھیے ہر وقت یہ موتی اپنی ہٹ کرتی ہی اگر میں اس سے کہتا ہوں کہ آؤ ہم کھیلیں تو یہ نہیں کھیلتی۔ موتی کہنے لگی کہ گیندا کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی ہے کہ ہر بات میں اس کا کہنا مانا جائے اور ہم اس کے خادم بنے رہیں۔ آخر ایسا کیوں ہو۔ کوئی وجہ نہیں کہ یہ ہم پر حکومت کرے۔

گیندا نے اپنی دُم پھلا کر اور ناخن نکال کر سامنے کی تمام چیزوں کو پھینک دیا موتی اپنی کمر اونچی کرکے اور رُواں پھلا کر ایک طرف جا بیٹھی اور کہنے لگی کہ میں کبھی تمہارے ساتھ نہیں کھیلوں گی۔

میں نے ان کے آگے دودھ لاکر رکھا اور اُس میں تین بوندیں عرق

محبت کی اپنی بوتل سے ڈالدیں۔

اب آپ غور فرمائیں کہ میرا وقت کیوں کرگذرا۔ اور دنیا کی یہ حالت دیکھکر کیوں کر افسوس ہوا۔ انسانوں کا یہ حال، جانوروں کی یہ کیفیت۔

کامل نے کہا بھائی!

مجھ کو بھی یہی افسوس رہتا ہے اور غور کرتا رہتا ہوں کہ یہ کیا حالت ہے۔ اور کیوں کر ہم لوگ اپنی حالت کو سدھاریں۔ خیر یہ تو جانور ہی ہیں۔ درندگی، وحشت، لڑائی جھگڑوں کا خاصہ طبیعت ہے مگر انسانوں نے جانوروں کی سی خصلتیں کیوں اختیار کرلی ہیں جتنا سوچتا ہوں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ ہماری تربیت کی خامی ہے۔ والدین۔ اور دادا پردادا کی تربیت میں کمی رہی جس کی وجہ سے مہربانی اور نیکی و محبت کا اثر دور ہوجاتا ہے بچّوں کا کیا قصور ہے۔ جب وہ اپنے بزرگوں کی یہ حالت دیکھتے ہیں کہ بھائی بھائی میں ناچاقی ہے۔ ماں بیٹیوں میں ان بن ہے باپ بیٹوں کا دشمن ہو رہا ہے تو روز بروز بجائے مہربانی اور

اتفاق کے دشمنی اور نااتفاقی بڑھتی جاتی ہے لیکن بھائی رحمت!
لوگوں کو اصلاح کرنی چاہیئے اور خدا کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا
چاہیئے خدا ہماری مدد کرے گا۔ اور میں بھی آج سے یہی کام
اختیار کروں گا۔"

اس کے بعد رحمت اور کامل دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے
اور دونوں نے اپنی زندگی کا مقصد اس آیۃ شریفہ کو قرار دے لیا۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسہم

رحمت نے پھر جہاں جہاں پر مہربانی کی بوندیں صرف کیں تھیں
وہاں وہاں کا ایک گشت لگایا اور اُس نے دیکھا کہ ان سب پر ان کا
اثر ہو گیا ہے۔ امن و امان میں ہیں لیکن انسان کی نسبت رحمت و کامل دونوں کا
یہی خیال رہا جانور و نیز جیسا اس دوا نے اثر کیا ایسا ہی انسانو نیز تربیت اثر کریگی

جب گلاب نے یہ قصہ ختم کیا تو چنبیلی نے جس میں دو چار تازہ پھول
لگے ہوئے تھے اور جن کی مہک سے جنگل بسا ہوا تھا اپنے پتوں کو جنبش دے کر کہا:۔
"لو اب مجھ سے بھی ایک قصہ سن لو اور بچو! ذرا دھیان دیکر سُننا
اور اوسکے نتیجہ پر غور کرتے رہنا۔



کہانی چنبیلی کی زبانی

ایک لکڑ ہارا ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ اور جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر
اپنی روزی کماتا تھا وہ ہمیشہ ٹیڑھے آڑے درختوں کو کاٹا کرتا تھا۔ اور
یہ کام کسی کے کہنے سننے سے نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اُس نے خود ہی یہ بات
سمجھ لی تھی کہ اس طرح جنگل خراب نہیں ہوتا۔ اور درختوں کی قوت قائم اور
بڑھتی رہتی ہے۔ اور واقعی بات بھی یہی تھی کہ آڑے ٹیڑھے درختوں کی کاٹنی سے
گھری ہوئی جگہہ نکل آتی تھی۔ اور درختوں کی شاخیں جو ان میں اُلجھ کر ٹیڑھی

ہو جاتی تھیں۔ وہ بھی محفوظ رہتی تھیں اس لکڑ ہارے نے اپنے گاؤں کے
جنگل کو ٹھیکہ پر لے لیا تھا اور بڑی سمجھ اور ایمانداری سے کام کرتا تھا۔
ایک روز وہ اپنے کام مین مشغول تھا اور لکڑیاں کاٹ کاٹ کر گٹھے بنا رہا تھا
جس طرف وہ نکل جاتا تھا خوف کی وجہ سے درختوں میں لرزہ پیدا ہو جاتا
ہر درخت کو یہی خوف لگا رہتا تھا کہ اب یہ لکڑ ہارا مجھے کاٹ ڈالیگا جس جگہ
یہ درخت کاٹ رہا تھا وہیں قریب ہی ایک ساگوں کا درخت بھی تھا۔
جو بہت سیدھا اور لانبا تھا۔ قدرت نے شروع ہی سے اُسے ایسی ترتیب
دی تھی کہ اوس کی کوئی شاخ ٹیڑھی ہونے نہ پائی۔ اور اس کے قریب بھی
کوئی درخت نہ تھا جس کی شاخوں میں اوس کی شاخیں اُلجھ کر ٹیڑھی ہو جائیں
بلکہ اس کے آس پاس کھلا میدان تھا اس سبب سے وہ سیدھا بڑھتا چلا گیا
اس کے گرداگرد تھوڑے فاصلہ سے جو درخت تھے وہ سب اس سے زیادہ
پُرانے تھے۔ ان کو دیکھکر اوس کے دل میں بھی اُمنگ پیدا ہوتی تھی کہ میں
جلد بڑھکر ان کے برابر ہو جاؤں وہ سمجھتا تھا کہ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے
نشو و نما کے لئے قدرت کے خزانہ سے روشنی، ہوا، پانی ملتا ہے مگر وہ اپنے
حصہ پر قانع ہو کر ہمیشہ خدا کا شکر کیا کرتا تھا اور قناعت اپنا شیوہ بنا لیا تھا

تھوڑے عرصہ کے بعد اس نے دیکھا کہ میں اس قدر بڑھ گیا ہوں کہ دوسرے درختوں کی ہمسری کا دعویٰ کرسکتا ہوں اب کیوں نہ اپنی ٹہنیوں کو آزادی سے خوب پھیلاؤں۔

تھوڑی دور پر ایک اور ساگون کا درخت تھا جو اسی کی ماں کا جایا تھا اور جس درخت کا یہ بیج تھا اُسی درخت کا وہ بھی تھا۔ لیکن اوس کا بیج اپنی ماں کے قریب ہی گر گیا تھا اور اس کے بیج کو ہوا اُڑا کر ذرا فاصلہ پر لے گئی تھی۔ اس لئے یہ علم تھا کہ یہ میرا بھائی ہے۔

اس دوسرے درخت کے نزدیک بھی کافی جگہ تھی لیکن جڑ میں ایسی پتھریلی زمین آگئی تھی جس کی وجہ سے نشو و نما زوردار نہ ہوسکی جب بڑا ہوا تو اس کی نظر اپنے بھائی پر پڑی اور یہ دیکھ کر کہ وہ بہت بلند ہوگیا ہے اور اوپر سے نیچے تک سرسبز و شاداب ہو رہا ہے۔ تو اوس کو رشک ہوا۔ اور دل میں خیال کرنے لگا کہ ایسی کوشش کروں کہ اپنے بھائی کے پاس پہونچ جاؤں۔ تاکہ میں بھی اُس کی طرح سرسبز شاداب ہوجاؤں۔ آخر اُس نے اپنے بھائی کی جانب جھکنا شروع کیا۔ تاکہ اوس کے قریب پہونچے۔ ایک عرصہ کے بعد جھکتے جھکتے اس قدر ٹیڑھا ہوا کہ اپنے بھائی کے قریب جا پہونچا۔ لیکن وہاں جا کر

گیا دیکھتا ہے کہ بھائی اپنی سلامت روی سے بہت اونچا ہوگیا ہے اور زیادہ شفاف ہوا ملنے سے بہت ہی گھنا اور سبز ہو رہا ہے۔ پھولوں سے لدا ہوا ہے۔

جب بھائی کی سرسبزی اور شادابی دیکھ کر اس کا یہ خیال ہوا کہ میں اوس تک پہونچ جاؤں اور کجی کا راستہ اختیار کیا تو اوس کی عجیب ہیئت ہوگئی کُبڑا اور ٹیڑھا ہو کر بدشکل ہوگیا۔ ایک دو ٹہنیاں تھیں تو وہ بھی کمزور نہ سبزی تھی نہ شادابی پتے تمام خشک ہو کر گر گئے تھے اور یہ عجیب الخلقت نکما ہوگیا تھا۔

اوس کے بھائی نے کہا کہ:۔

اگر تم میں قوت ہے تو پھر مجھ تک پہونچنا کچھ دشوار نہیں ہے لیکن جو راہ تم نے اختیار کی ہے وہ ٹیڑھی ہے اور مجھ کو تمھارے انجام کا خوف ہے۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے؟

یہ گفتگو ختم نہیں ہونے پائی تھی کہ لکڑہارا آگیا اور اُس نے کہا کہ اس درخت کو کاٹ ڈالنا چاہیے کیونکہ یہ بالکل ٹیڑھا ہوگیا ہے اور اس کے سبب سے اور درخت بھی خراب ہو جائیں گے۔

یہ سنکر وہ اپنے بھائی سے کہنے لگا کہ :-

"اے بھائی ابھی تو تم مجھ سے کہہ رہے تھے کہ اگر تم میں قوت ہے۔ تو تم میرے نزدیک آسکتے ہو مجھ میں قوت تو ہے لیکن ملک الموت تو مجھے کاٹے ڈالتا ہے۔

بھائی نے جواب دیا :-

"کہ اے میرے بھائی! تم نے اول ہی سے نادانی کی کہ اپنی موجودہ حالت پر قانع نہ ہو کر میری سرسبزی اور شادابی پر نظر ڈالی۔ اور میری ریس کرنی چاہی لیکن اسپر غور نہیں کیا کہ یہ سرسبزی وشادابی مجھ کو قناعت اور سلامت روی کی وجہ سے عطا ہوئی ہے اگر تم اپنی موجودہ حالت پر صبر و شکر کرتے اور ٹیڑھا رستہ اختیار نہ کرتے تو آج اس مصیبت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہو سکتی ہے کہ آج تمھارا رشتہ حیات کاٹا جا رہا ہے۔ سلامت روی اور قناعت کا انجام ہمیشہ اچھا ہوتا ہے حرص و ہوس اور کج روی کا انجام ہمیشہ برا ہے۔

بالآخر وہ درخت کاٹا گیا اور یہ نونہال اپنی سلامت روی کی

وجہ سے بچ گیا مگر اپنے بھائی کے غم میں ہمیشہ روتا رہا۔

یہاں تک بیان کرکے چنبیلی رک گئی اور حسرت سے کہنے لگی:۔

بچو! برے عزیزوں کے سبب سے نیک عزیزوں کو بھی تکلیف پہونچتی ہے اور اس سے زیادہ کون سی تکلیف ہوگی کہ ایسوں کی مصیبت پر ہمیشہ دل کڑھتا ہے۔

چنبیلی ابھی اچھی طرح خاموش بھی نہ ہوئی تھی کہ اس کے رشتہ کے بھائی بیلہ نے کہا کہ "چلتے چلتے میری بھی کہانی سن لو۔"





کہانی بیلہ کی زبانی

ایک گاؤں میں ایک لڑکی رہتی تھی جس کا نام نورا تھا سردی کا موسم تھا مہاوٹ برس چکی تھی کئی جگہہ اولے بھی گرے تھے پہاڑوں پر بھی برف معمول سے زیادہ گری تھی جس کی وجہ سے اوس روز بہت سخت جاڑا تھا یہ لڑکی چولھے کے سامنے بیٹھی ہوئی تاپ رہی تھی اور اس کی ماں پراٹھے اور انڈے کی ٹکیاں تل رہی تھی نورا کی نانی دوسرے گاؤں میں رہتی تھی جو وہاں سے ایک میل کے فاصلہ پر بستا تھا اس کی ماں نے نورا سے کہا کہ:-

"بیبی آج جمعہ ہے۔ اپنی نانی کے واسطے پراٹھا اور تکیہ لیکر چلی

جاؤ۔ ورنہ وہ انتظار کریں گی۔

نوراً کی ماں بڑی سعادت مند تھی اور ہر جمعہ کو کچھ نہ کچھ پکا کر اپنی ماں کے واسطے بھیجا کرتی تھی آج بھی حسب دستور بھیجنا چاہتی تھی لیکن سردی بہت شدت سے تھی اور اس کی ماں کو اور بھی بہت سے ضروری کام تھے مگر نوراً بہت ہی سُست اور کاہل تھی۔ ہمیشہ ہر کام میں سستی کیا کرتی تھی آج نوکڑا کی سردی کی وجہ سے اونگتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہوگیا اور بھی کاہل بن گئی۔ ماں کا کہنا سنکر بڑبڑانے لگی کہ:۔

"اماں! آپ کو ہمیشہ نانی کی لگی رہتی ہے۔ جمعہ جمعرات کا کتنا خیال ہے ایسا جاڑا پڑ رہا ہے کہ پانی تک جم گیا ہے۔ میں ذرا آرام سے آگ کے نزدیک بیٹھی ہوں تو آپ کو ناگوار ہے۔ اور ایسے جاڑے میں آپ مجھے گھر سے نکال کر نانی کے پاس بھیج رہی ہیں۔ دیکھیے پڑوس میں زیباً کیسے آرام سے رہتی ہے نہ اوس کی نانی ہے نہ دادی کاش میری نانی نہ ہوتی تو مجھکو سردی میں گھر سے نکلنے کو نہ کہا جاتا۔"

اُس کی ماں نے کہا کہ:۔

"بیٹی وہ کمبل پڑا ہے اوس کو اوڑھ لو اور تیار ہو جاؤ۔ ایسی بیہودہ
باتیں زبان سے نہ نکالو عزیزوں کا ہونا خدا کی برکت ہے اپنے سر پر
بزرگوں کے سایہ کو خدا کی رحمت سمجھو۔ اسے غنیمت جانو اور
قدر کرو۔ جاؤ بیٹا! جلد تیار ہو جاؤ ورنہ تمہاری نانی فکر کریں گی
اور پریشان ہوں گی کہ آج جمعہ ہے نوراً کیوں نہیں آئی اور
کیا عجب ہے کہ یہ خیال کر کے کہ میں جا کر دیکھوں کہیں کوئی ماندہ
تو نہیں ہو گیا گھبراہٹ میں روانہ ہو جائیں۔ وہ بہت ضعیف
اور کمزور ہیں اگر اُنھوں نے ایسا کیا تو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ
بیمار نہ ہو جائیں۔ تم تو بچی ہو اور مشہور ہے کہ بچوں کی سردی تو
بکریاں چر جاتی ہیں۔"

نوراً بجائے اس کے کہ جانے کے واسطے مستعد ہو جاتی۔ آگ کے اور قریب
جا کر تاپنے لگی اور بڑبڑاتی جاتی تھی کہ:-

"نانی کو بیماری کا تو کیا خیال ہوگا۔ البتہ گرم گرم پراٹھوں کا ضرور
انتظار ہوگا۔"

ماں نے جب دیکھا کہ یہ نہیں جاتی تو وہ خود کھانا لیکر روانہ ہو گئی۔

ماں کے جانے کے بعد اب یہ لڑکی اکیلی رہ گئی۔ اور کہنے لگی کہ:۔

"کاش زیبا کی طرح میری نانی دادی کوئی بھی نہ ہوتی تو میں اس بیگار سے بچتی۔

یہ کہہ ہی رہی تھی۔ کہ اوس کو ایک آواز سنائی دی کہ:۔

"خدا جس حال میں رکھے شکر کرنا چاہیئے۔ اور کبھی دوسروں کی ریس نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ خالق کی اس میں کوئی مصلحت ہے اور ہمارے واسطے کوئی بہتری ہے۔ جیسی حالت میں ہم ہیں اس پر قانع رہنا چاہیئے۔ اور وہ تو بہت خوش نصیب ہیں جن کے سروں پر بزرگوں کا سایہ ہوتا ہے"

لڑکی چوکنا ہوئی کہ یہ آواز کہاں سے آتی ہے۔ غور کیا تو اُس کو معلوم ہوا کہ چولھے سے آرہی ہے۔ اس نے اور کان لگا کر سُنا۔ تو ایک لکڑی نے اپنا قصہ سنایا اور کہنے لگی کہ:۔

"میں ایک درخت کا تنہ ہوں مجھ کو اپنے بھائی کی سرسبزی و شادابی بلندی اور سیدھے پن پر رشک آیا اور مجھے یہ خیال آیا کہ اگر میں اس کی جگہہ لے لوں۔ اور کھلے میدان میں پہونچ جاؤں تو پھر میں

بھی ایسا ہی بلند قامت، سرسبز و شاداب ہو جاؤں گا۔ اور میدان کی
صاف اور تندرست رکھنے والی ہوا کا لطف اوٹھاؤں گا۔ اس خیال کی
میں نے جھکنا اور بڑھنا شروع کیا۔ یہ نہ سمجھا کہ اس سے میری
خوبصورتی میں بہت بڑا نقص پیدا ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میری نشو و نما
ماری گئی جنگل کے محافظ نے میری شاخوں کو بے قاعدہ ادہر اودہر
پھیلی ہوئی دیکھ کر مجھے کاٹ ڈالا۔ مدت تک پڑا ہوا روتا رہا۔
ایک روز اُس نے مجھے گاڑی میں بھرا اور شہر میں لاکر فروخت کر دیا
پھر مجھ کو یہ خیال آیا کہ اگر میں خوش اور قانع رہتا اور سلامت روی
اختیار کرتا تو یہ نوبت نہ آتی۔ تم کو ایسی باتیں نہ کرنی چاہئیں۔
تم کو یہ خیال نہیں ہے کہ تمھاری ماں جو عمر میں تم سے بہت بڑی ہے،
اور اوس کا وہ چڑھتا ہوا خون نہیں ہے جو قادر مطلق نے تمھاری
رگوں میں پیدا کیا ہے۔ یہ تمھاری نشو و نما کا زمانہ ہے۔ اور تکلیف کے
دفع کرنے کی جو قوت تم میں ہے اوس کا پاؤ حصہ بھی تمھاری ماں میں
نہیں ہے۔ اس کا بڑھاپا اور اُتار کا زمانہ ہے۔ سردی کھاکر کہیں
وہ بیمار نہ ہو جائے۔ تمھاری باتوں نے اوس کو کیسا صدمہ پہونچایا

ہوگا۔ والدین کی ناراضی سے خدا بھی تو ناراض ہوتا ہے۔ اوسکی عبادت کے بعد۔ فرماں برداری اور اطاعت کے والدین ہی مستحق ہیں۔ تمھیں سوچو کہ جب تمھاری والدہ سردی سے بیمار ہو جائیگی تو کیا اوس کی تیمارداری میں تم کو تکلیف اٹھانی نہیں پڑیگی اور گھر کا کام کاج تمھارے سر نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں اُس تکلیف سے یہ تکلیف بدرجہا بڑھی ہوئی نہ ہوگی۔ اور پھر تم پچھتاؤگی اور یہ کہوگی کہ کاش میں ماں کو ایسی سردی میں نہ جانے دیتی تو یہ نوبت نہ پہونچتی۔ دیکھو! تمھاری ماں نے ابھی تم سے کہا تھا کہ تمھاری نانی کہیں گھبراکر نہ آجاے۔ اور سردی کی وجہ سے بیمار نہ ہوجائے ایسا ہی تم کو اپنی ماں کا خیال رکھنا چاہئے۔ زیباؔ کی ریس کرنا تمھارے لئے مناسب نہیں۔ وہ لاکھ آرام سے رہتی ہے۔ لیکن اس کو نانی کی شفقت اور دعا کب میسر ہے۔

بچی! بڑوں کی دعاؤں میں اثر ہوتا ہے اور دین و دنیا کی بہتری حاصل ہوتی ہے۔"

لڑکی نے کہا کہ:۔



میں لیجاؤنگی آپ تکلیف نہ کریں

"اب میں کیا کروں؟"

آواز آئی کہ:-

ابھی تم بچّہ ہو دوڑ کر چلی جاؤ ابھی وہ تھوڑی دور پہونچی ہوں گی کیوں کہ
بچوں اور جوانوں کی چال میں بہت فرق ہوتا ہے جلد جاکر
ناشتہ دان لے لو اور معافی مانگ کر اُسے پلٹا دو۔ اور تم
نانی کو دیدو۔"

یہ سنکر لڑکی جلدی سے باہر نکل کر دوڑتی ہوئی چلی ابھی اوس کی ماں سامنے کے کھیت کی بینڈ سے باہر نہیں ہوئی کہ لڑکی اس کے قریب پہونچ گئی ناشتہ دان ماں کے ہاتھ سے لے لیا اور کہا کہ میں لے جاؤں گی آپ تکلیف نہ کریں۔ اور اوس کو منت سماجت کرکے واپس کیا اور خود نانی کے گھر چلی گئی۔ نانی جو منتظر اور متفکر بیٹھی تھی۔ نواسی کو خوش وخرم آتے دیکھکر باغ باغ ہوگئی۔ ہزاروں بلائیں لیں۔ اور دعائیں دیں۔ اس وقت نور ابھی خوشی کے مارے پھولی نہیں سماتی تھی اور بار بار دل میں لکڑی کی نصیحت کا شکریہ ادا کرتی تھی اور غور کرتی تھی کہ:-

"میں تو اچھی خاصی ہوں۔ اگر میری ماں اس سردی میں اور بیمار ہو جاتی تو کیسی مصیبت کا سامنا ہوتا دنیا میں روسیاہی ہوتی خدا ناراض ہوتا۔ اور ہمیشہ پچھتانا پڑتا۔

بیلہ جب کہانی کہہ چکا تو گل لالہ نے یہ قصہ شروع کیا:۔





کہانی گلِ لالہ کی زبانی

جہانگیر کی تخت نشینی کے زمانہ میں جب شہر آراستہ ہو رہا تھا اور طرح طرح سے خوشنمائی کیجا رہی تھی تو جوق جوق دہقانی بھی تماشہ دیکھنے آتے تھے جس تاریخ کو تخت نشینی کا دن تھا اور بڑی دھوم دھام سے جلوس نکل رہا تھا۔ تو سب لوگ تماشہ میں محو تھے تماشائیوں میں ایک لڑکا صمصام نامی بھی تھا۔ اس نے جب جلوس کی یہ شان و شوکت اور راجگانِ ہند کا کرّ و فر دیکھا تو اس کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ

"کاش میں دہلی کا بادشاہ ہوتا"

اوس کی یہ آرزو اس قدر بڑھی کہ حرص کے درجہ تک پہونچ گئی اور دن رات اسی اودھیڑبن میں رہتا۔ اور کسی طرح اوسے چین نہ ملتا۔ اُس کے سر میں یہی دُھن سمائی تھی کہ کوئی ایسی تدبیر ہو کہ میں دہلی کا بادشاہ بن جاؤں۔ لیکن کوئی تدبیر اوس کے سمجھ میں نہیں آتی تھی ہمیشہ اسی خیال میں ڈوبا ہوا رہتا تھا۔

صرف یہی ایک خیال اوس کی رہبری کرتا تھا۔ کہ ملک میں بغاوت پھیلائی جائے۔ اور لوگون کو اپنا ہم خیال بنایا جائے۔ بادشاہ لوگون سے بیان کی جائیں تاکہ وہ بدظن ہو جائین۔

یہ ایک عجیب دھن تھی۔ جو اوس کے سر مین سمائی تھی ابھی اوسکی عمر ایسی زائد نہین تھی صرف دس سال کا لڑکا تھا پڑھنا لکھنا بھی اچھی طرح نہین آتا تھا۔ لیکن اس شوق نے تاریخی قصّوں کے (جو چھوٹے بچّوں کے واسطے لکھے جاتے ہیں) سننے اور پڑھنے کا شوق پیدا کر دیا جن کو وہ خوب غور سے پڑھتا اور سنتا تھا اور اپنے بادشاہ ہونے کی تدبیروں پر غور کرتا رہتا تھا غور کرنے کے بعد یہی تدبیر اُس کی سمجھ میں آتی تھی کہ بغاوت پھیلائے

مگر اس عمر کا بچہ کس کو اپنا ہم خیال بنا سکتا تھا بجز اس کے کہ جس مدرسہ میں پڑھتا تھا۔ اوس میں اپنے ہم عمر طلبا کو اپنا ہم خیال بنائے۔ چنانچہ اس نے اپنے ہم جماعتوں سے جب ان خیالات کا اظہار کیا تو اونہوں نے اس کا مذاق اُڑایا۔ اور دوسرے روز سے اوس کو صمصام شاہ کہکر پکارنے لگے

اگرچہ یہ طنز اُس کو بہت تکلیف دیتا تھا اور دل ہی دل مین پیچ وتاب کھا کر رہ جاتا تھا۔ لیکن اپنے خیال سے باز نہیں آتا تھا۔ کیوں کہ اس کو پڑھنے اور بہت بڑے مرتبہ پر پہونچنے کی ہوس تھی، وہ دن رات اپنے خیال مین ڈوبا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ:۔

"قصے کہانی کی کتابوں میں جن وپری کے تو بہت سے قصے دیکھنے میں آئے۔ مگر وہ سب بے اصل اور جھوٹے ہیں۔ کاش کہ سچ ہوتے اور مجھے کوئی سچے جن وپری ملتے۔ اور دہلی کا بادشا بنا دیتے"

اسی خیال میں ایک دن یہ اپنے کھیت کی مینڈ کے نزدیک آم کے ایک گھنے درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ اور اس کی آنکھ لگ گئی تو خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ۔

چاندنی پھیلی ہوئی ہے اور چودھویں رات کا ماہتاب۔

اپنی اعجاز نمار وشنی سے تیرۂ و تاریک دنیا کو بقعۂ نور بنا رہا ہے۔

اسی حالت میں اس نے ایک آواز سنی جو کھیت کی جانب سے آرہی تھی اور ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے ہزاروں گھنگرو بول رہے ہیں۔ اس نے خیال کیا کہ سن کے پھلوں کی آواز ہے۔ لیکن اس کو بہت شیریں اور دلکش معلوم ہوئی۔ جب اُس نے نظر اوٹھا کر دیکھا تو سامنے کی طرف کثرت سے روشنی کے پتنگے اُڑ رہے ہیں۔ جو مثل جگنو کے چمک رہے ہیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ آج اس قدر جگنو کہاں سے آگئے۔ اور اس قدر چمکیلے ہیں کہ باوجود چودھویں رات کی چاندنی کے ان کی چمک دمک بہت تیز ہے۔ اور نظر نہیں ٹھہرتی۔

صمصام ٹکٹکی باندھ کر یہ تماشہ دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں اسکے کانوں میں چھم چھم کی آوازیں آنے لگیں۔ پہلے تو اسے خیال ہوا کہ ببول کی پھلیوں کی آواز ہے جو ہوا کے چلنے سے آتی ہے۔ اب جو دیکھتا ہے تو نورانی شکلیں آسمان سے نیچے اُترتی ہوئی نظر آئیں۔ پھر اور غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ پریوں کے غول کے غول چلے آرہے ہیں آگے آگے جنوں کے رسالے ہیں جن کے قد و قامت مثل انسانوں کے ہیں۔ بیچ میں ایک مرصّع تخت رواں ہے

جو اپنے لعل و جواہر کی جگمگاہٹ سے نظر کو خیرہ کر رہا ہے بادشاہ جلوہ افروز ہیں۔ یہ دیکھکر اس کے دل کو بے حد خوشی ہوئی۔ اور خیال کرنے لگا کہ آج میری مراد ضرور پوری ہوگی۔ میں پریوں کے بادشاہ کو دیکھ رہا ہوں اور اندر کا اکھاڑہ میرے سامنے ہے اب جو مانگوں گا۔ سو پاؤں گا۔

صمصام مارے خوشی کے اپنے جامہ میں نہیں سماتا تھا اور جھاڑیوں کے جھنڈ میں چھپا ہوا یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ بادشاہ کی سواری اسی جھنڈ کے نزدیک سے گذری۔ بادشاہ نے اس کو آواز دی کہ:۔

"صمصام ہمارے نزدیک آؤ جس کی تم کو آرزو تھی اوس کو تم دیکھ رہے ہو۔ اور سامنے نہیں آتے"

ملکہ دوسرے تخت رواں پر سوار تھی جو پہلے تخت کی طرح تھا۔ دو خواصیں چنور ہلا رہی تھیں۔ قلماقینوں کی قطار آگے چل رہی تھی۔ خواجہ سراؤں کی ایک بہت بڑی جماعت زرق برق لباس پہنے ہوئے جلوس کی شان و شوکت دوبالا کر رہی تھی ملکہ نے اپنے تخت سے جھک کر دیکھا اور بادشاہ سے دریافت کیا کہ:۔

"یہ کون ہے۔؟"

بادشاہ نے ہنس کر کہا:۔

"صمصام ہے جس کو ہمارے ملنے کی بہت آرزو تھی۔

ملکہ نے کہا:۔

"تخت ٹھہرایئے تاکہ اوس کی آرزو پوری ہو جاے"

غرض تخت ٹھہر گئے صمصام جھک کر آداب شاہی بجا لایا۔ ملکہ نے کہا کہ:۔

تم ایک ہی خیال میں ڈوبے ہوے رہتے ہو"

صمصام ذرا جھجک گیا۔ کیونکہ اُس پر رعب چھا گیا تھا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر سنبھلا۔ اور یوں عرض کرنے لگا:۔

"حضور عالیہ!۔

ملکۂ عالم پرستان بیشک۔ بجز ایک خیال کے میرے دماغ مین اور کوئی خیال نہیں ہے"

بادشاہ نے دریافت کیا کہ:۔

"وہ کیا خیال ہے؟"

صمصام نے کہا کہ:۔

"میں دہلی کا بادشاہ ہو جاؤں کیا آپ اس میں مجھکو مدد دیں گے۔

بادشاہ نے ملکہ کی طرف دیکھ کر کہا کہ:۔

"ہم کو ضرور اس کی مدد کرنی چاہیئے"

ملکہ نے جواب میں مسکرا دیا صمصام نے

ان کا شکریہ ادا کیا۔

اور پھر اپنے مغویانہ خیالات کا اظہار کیا۔ ملکہ ایسے خوشنما اور دلکش طریقے سے

ہنسی گویا ہزاروں گھنگرو بول رہے تھے۔ ہنسی کا یہ اثر تھا کہ ہر طرف سرد روشنائی

پائی جاتی تھی۔

بادشاہ یہ کہتا ہوا کہ:۔

"ہم لوگوں کو بغاوت نہیں سکھاتے بلکہ امن و امان قائم کرنا ہمارا

کام ہے"

تخت سے نیچے اُترا۔ اس کے اُترتے ہی قلماق سواروں کی لگیاں نیچی ہو گئیں

ملکہ بھی تخت سے نیچے اُتری خواجہ سراؤں نے:۔

بسم اللہ کا نعرہ بلند کیا۔

جب یہ دونوں زمین پر کھڑے ہو گئے تو بادشاہ نے تحکّمانہ لہجہ میں صمصام کو آگے بُلایا

صمصام نے آکر عرض کیا کہ:۔

"کیا حضور میں بغیر بغاوت کے بادشاہ ہو جاؤں گا؟ کیا حضور کو میری
امداد میں مشکلات پیش آئیں گی؟"

بادشاہ نے فرمایا:۔

مجھ کو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی لیکن تمہارے چند دشمن ہیں اُن کو زیر
کیے بغیر تم بادشاہ نہیں ہو سکتے"

صمصام نے خیال کیا کہ:۔

"جنگ کرنا ضروری ہے۔ اور میں جنگ کے واسطے تیار ہوں لیکن
یہ تو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ دشمن کون سے ہیں؟"

بادشاہ نے ملکہ کی جانب دیکھا۔ ملکہ نے اپنے سنہری عصا کو جس کو جادو کی لکڑی کہنا چاہیئے۔ زمین پر مارا زمین شق ہوئی اور چار لڑکے جو صمصام کے قد کے برابر تھے نکل آئے۔ ملکہ نے صمصام سے کہا کہ:۔

"تم کو ان چاروں سے کشتی لڑنا ہوگی مگر ان پر غالب آگئے تو ضرور
بادشاہ ہو جاؤ گے"

چار خواصیں جو ملکہ کے ہمراہ تھیں آگے بڑھیں۔ اور صمصام کو اور اسکے مدمقابل کو لوہے کے دستانے دیکر پیچھے ہٹ گئیں۔

بادشاہ نے ان چار لڑکوں میں سے ایک کی جانب دیکھا وہ
صمصام کے مقابلہ کو کھڑا ہوا۔ اور صمصام کو ترچھی نظر سے دیکھکر کہنے لگا کہ :۔

"فرمائیے۔ آپ کو سب سے زیادہ کون سی بات بُری معلوم ہوتی ہے۔"

اُس نے کہا :۔

"طنز آمیز تمسخر"

مقابل نے دریافت کیا کہ :۔

"کیا ایسا تمسخر بھی ہوتا ہے؟ اور کوئی طعن و تشنیع بھی کرتا ہے"

صمصام نے کہا :۔

"ہاں! میرے ہم جماعت لڑکے اکثر میرے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔
مجھ کو اون کا یہ فعل بہت ہی بُرا معلوم ہوتا ہے"

مقابل نے کہا کہ :۔

"آپ کی طبیعت کا اندازہ ہوگیا۔ آپ بدمزاج ہیں۔ آپ مجھ سے
کشتی لڑیں۔ اگر آپ غالب آگئے تو پھر آپ میں یہ باتیں نہیں
رہیں گی اب تو آپ ذرا ذرا سی بات پر بگڑ جاتے ہیں"

غرض کشتی ہونے لگی۔ کبھی یہ اوسکے زیر کرنے کی کوشش کرتا تھا اور کبھی وہ

اوس کے پچھاڑنے کی کوشش کرتا تھا آخر ایک گھنٹہ کی لڑائی کے بعد مقابل بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ اور پریاں اُس کو اُٹھا کر لے گئیں۔ صمصام اس فتح پر بہت خوش تھا۔ اور پریوں کی صفوں میں شیخی بگھارتا پھرتا تھا۔ اتنے میں دوسرا شخص مقابلہ کے لئے کھڑا ہو گیا۔ صمصام چوں کہ ایک کو ہرا چکا تھا ہمت بڑھی ہوئی تھی نہایت شیخی سے آکر مقابل کے آگے کھڑا ہو گیا۔ اور اُس سے کشتی شروع ہوئی صمصام کا دماغ چوں کہ اُسوقت شیخی سے بھرا ہوا تھا اور شیخی کا انجام بُرا ہوتا ہے ایک دو ہی داؤ پیچ میں اس کو مقابل نے نیچے دبالیا۔ لیکن صمصام نے اپنے دل کو قوی رکھا اور خیال کیا کہ ہمت نہ ہارنی چاہیئے "الا اللہ" کا نعرہ مار کر زور کیا تو کھڑا ہو گیا۔ خوب زور سے کشتی ہونے لگی کبھی مقابل نیچے ہوتا اور کبھی صمصام۔ غرض ایک گھنٹہ کی کشمکش کے بعد صمصام نے مقابل کو گرا دیا۔ جس کو پریاں اُٹھا کر لے گئیں۔

صمصام نے جب اپنے پہلے حریف کو ہرایا تھا تو پریوں کے غول میں جاکر بڑی شیخیاں ماری تھیں۔ لیکن دوسرے مقابل کو ہرا کر خاموش بیٹھ گیا اور ایک لفظ بھی اپنی تعریف کا زبان سے نہ نکالا البتہ یہ تو کہا کہ:۔

"میں پیاسا ہوں"

پریوں نے جلدی سے نہایت خوبصورت بلور کے گلاس میں پانی پلایا۔ جب یہ تازہ دم ہو گیا تو ملکہ نے کہا کہ:۔

"اب اپنے تیسرے مقابل سے لڑو۔ اور اب گرز سے لڑائی ہوگی"

چنانچہ دونوں کو گرز دیے گئے۔ یہ گرز دل کی شکل کا تھا اب یہ تیسرا جنگجو اس کے سامنے آیا اور اس نے سوال کیا کہ:۔

"تم کس چیز کو زیادہ چاہتے ہو"

صمصام نے کچھ جواب نہیں دیا جنگجو نے پھر کہا کہ دریافت کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ

"کس چیز کو تم پسند کرتے ہو"

صمصام نے کہا کہ:۔

"میں خود پسند ہوں"

جنگ جو نے زور سے قہقہہ مارا۔ اور لڑائی شروع ہوئی اس نے اُس کے گرز کا ہاتھ مارا۔ تو اس نے بچایا۔ اس نے اوس کے گرز کا ہاتھ مارا تو اُس نے بچا لیا ہر ایک نہایت خوبصورتی سے پینترہ بدل کر دوسرے کے وار کو بچاتا رہا۔ اب صمصام کی ہمت جواب دینے لگی۔ اور یہ خیال اوسکو

دل میں آیا کہ کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے جس سے یہ تیسرا حریف بھی شکست کھا جاے۔ یہ خیال کر کے غور کرنے لگا کہ مقابل نے موقع پا کر نہایت زور سے ایک گرز کا ہاتھ مارا۔ مگر صمصام فوراً ہی ہشیار ہو گیا۔ اور ایسا پینترہ بدلا کہ اس کا وار خالی گیا۔ آخر صمصام نے تیسرے مقابل کو بھی شکست دی اور پریاں اوس کو بھی اٹھا کر لے گئیں۔

صمصام نے پادشاہ اور ملکہ کو سلام کر کے گرز اُن کے قدموں پر رکھ دیا۔ ملکہ نے بہت تعریف کی اور کہا کہ:-

"واقعی اس وقت کی تمہاری بہادری اور ہوشیاری قابل تحسین ہے ایک دشمن تمہارا اور باقی ہے۔ اس کے بعد بس تمہاری فتح ہو جاے گی"

صمصام نے کہا کہ:-

"مقابلہ کے لئے تیار ہوں"

ملکہ نے کہا کہ:-

"لڑائی تلوار سے ہوگی"

پریوں نے صمصام کو اور اوس کے مقابل کو ایک ایک تلوار دی دونوں میں

خوب شمشیر زنی ہوئی مقابل کو ایک دو زخم کاری لگے پریوں نے جب دیکھا کہ زخموں سے خون بہہ رہا ہے اور قریب ہے کہ صمصام بھی مقابل بے ہوش ہو کر گر پڑے تو مثل ان تینوں کے اُس کو بھی لے گئیں۔ لیکن صمصام بھی تھک کر بے حال ہو گیا تھا اور اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا اور کچھ غفلت بھی ہو گئی تھی۔

جب اس کو ہوش آیا تو اس نے دریافت کیا کہ میں دہلی کا بادشاہ ہو گیا ملکہ نے کہا کہ:۔

دہلی کے بادشاہ تو نہیں ہوے لیکن سچے بادشاہ ہو گئے"

بادشاہ نے صمصام سے کہا کہ:۔

"قبل اسکے کہ ہم تم کو تمھارے بادشاہ ہونے کی حقیقت بتائیں کو کہ تم کیسے سچے اور حقیقی بادشاہ ہو گئے تم اپنے دشمنوں کو جا کر دیکھو جن کو تم نے بڑی کوشش سے زیر کیا ہے۔

صمصام ندی کے کنارے چلا جہاں پریوں نے اس کے چاروں دشمنوں کو لٹا دیا تھا بادشاہ اور ملکہ بھی ساتھ چلے جب یہ دشمنوں کے نزدیک پہونچے تو صمصام پوچھنے لگا کہ:۔

"کیا واقعی یہ میرے دشمن تھے"

بادشاہ نے پہلے آدمی کو اٹھا کر جوں ہی چٹکی سے ملا تو وہ خاک ہو گیا اور پھونک مار کر خاک کو اُڑا دیا صمصام سے کہا۔

" تم نے پہچانا کہ یہ کون تھا؟ یہ تمہارا غصہ اور چڑچڑاپن تھا۔ کہ تم ذرا ذرا بات پر بگڑتے تھے۔ جب تم نے اس کو زیر کر لیا تو اب وہ مٹ ہی گیا تم اب حلیم، بردبار، خوش مزاج ہو جاؤ گے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر نہیں بگڑو گے "

پھر بادشاہ نے دوسرے شخص کو پیر سے روندا۔ یہاں تک کہ وہ خاک ہو گیا اور کہا کہ :-

" یہ تمہاری شیخی کی عادت تھی کہ ذرا سا کام کرنے پر تم اترانے لگتے تھے شیخیاں مارتے تھے، ہر ایک کے سامنے فخریہ بیان کرتے تھے، یہ تمہاری خراب عادت بھی پامال ہو گئی -

تیسرے شخص کو ندی میں ڈال دیا اور کہا کہ :-

" یہ تمہاری خود غرضی تھی کہ تم اپنے مطلب کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے چاہے دوسرے کا جانی یا مالی نقصان ہوتا۔ ایک یہی آرزو تھی کہ تم دہلی کے بادشاہ بن جاؤ اور محض اپنی ذاتی اغراض

کی بنا پر بغاوت کی کوشش کرکے ہزاروں آدمیوں کا خون کرانا

چاہتے تھے۔ میں نے اس مکروہ عادت کو ندی میں ڈال دیا۔"

جب بادشاہ اور صمصام چوتھے شخص کے پاس گئے تو یہ کن انکھیوں سے

تینوں آدمیوں کے انجام کو دیکھ رہا تھا۔ اور مکاری سے دم سادھے

ہوئے پڑا تھا۔ جیسے ہی یہ سب اوس کے نزدیک پہونچے کہ وہ

اٹھکر بھاگ گیا۔ اگرچہ اوس کو زخم کاری لگے تھے اور کمزور ہو گیا تھا

لیکن ہوا کی طرح اُڑ گیا۔

صمصام نے پوچھا کہ حضور یہ کون تھا؟ بادشاہ نے کہا کہ:-

"حسد، تھا۔ اگرچہ تم نے اس کو کمزور کر دیا ہے۔ لیکن یہ بہت ہی بڑا

دشمن ہے۔ اس سے بہت ہوشیار رہنا۔"

پھر ملکہ نے ایک تاج مرصع اس کے سر پر رکھا۔ اور کہا کہ۔

"حقیقی بادشاہ وہی ہے جو اپنے نفس کو اپنے قابو میں رکھے۔

اور اپنی نفسانی خواہشوں غصہ، شیخی، حسد اور خود غرضی کو زیر

کرکے اپنا تابع بنالے اور اپنے آپ کو ان عمدہ اخلاق سے مثلاً حلم

بردباری، خوش خلقی، قناعت، انکساری، اور ایثار سے آراستہ

لیے جو انسانوں کا زیور بھی ہیں اور اس کے اسلحہ بھی ہیں۔

اے صمصام! اصلی بہادری تو یہی ہے کہ انسان بُرے خیالات کو اپنے قریب بھٹکنے نہ دے ہمیشہ ان کو ایسا زیر کرے جیسا کہ اس وقت تم نے زبر کیا ہے۔"

جب ملکہ نے اپنی تقریر ختم کی تو بادشاہ نے ایک جڑاؤ تلوار صمصام کو دی جس کے قبضہ پر بیش قیمت جواہر جڑے ہوئے تھے۔ اور نیام بھی بیش بہا جواہرات سے جگمگا رہا تھا بادشاہ نے کہا:۔

دیکھو! ایلم سے حلم زمرد سے ہمدردی، یاقوت سے عفو، پکھراج سے انکساری الماس سے صفائی سینہ یعنی کسی سے کینہ و بغض نہ رکھنا لسنیا سے قناعت، فیروزہ سے تواضع، موتی سے ہمت، اور مونگے سے صبر و تحمل مراد ہیں۔ اگر یہ تمام صفات تم میں پیدا ہو جائیں گی تو تم بادشاہ سے زائد چین و آرام پاؤ گے۔ دنیا میں سب تم کو عزیز رکھیں گے۔

پھر ایک انگوٹھی دی جس پر کندہ تھا:۔

"سچائی بڑی چیز ہے"

صمصام نے سلام کیا اور اُسی وقت باجوں کی سریلی آواز سے جنگل

گونج گیا۔ صمصام پر زر و جواہر نثار ہونے لگے۔ اسی حالت میں اوس کی آنکھ کُھل گئی۔ اب جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ آم سے شاخین ٹپک رہی ہیں۔ جن کے گرنے سے بیدار ہو گیا۔ لیکن اب اوس کے دل میں بادشاہ ہونے کی ہوس نہیں رہی تھی۔ بلکہ اس خیال سے ہی اُس کو نفرت ہو گئی تھی

جب گل لالہ نے قصہ ختم کیا تو چار بج چکے تھے۔ بچوں نے وضو کر کے نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ گرم گرم چار تیار ہے انھوں نے اوس کو پیا اور پھر کہانی سننے کو متوجہ ہو گئے تو نسترن نے قصہ شروع کیا۔





کہانی نسترن کی زبانی

ایک گاؤں میں چار بچّے رہتے تھے۔ یہ چاروں بہن بھائی تھے
لڑکوں کا نام کرامت اللہ۔ اور برکت اللہ تھا۔ لڑکیوں کا نام کبیرہ
اور صغیرہ تھا۔ ان چاروں میں ناشکری کی عادت تھی گرمی کا زمانہ ہوتا
تو کہتے کہ اُف! کیا گرمی ہے ہم تو مرے جاتے ہیں۔ دھوپ کی تیزی جھلسے
دیتی ہے گویا آفتاب سوا نیزے پر آگیا۔ دن پہاڑ سے ہیں۔ ایک ایک
دن قیامت کا گذرتا ہے۔ امرا تو مزے اُڑا رہے ہیں خس کی ٹٹیاں

لگی ہوں گی، پانی چھڑکا جاتا ہوگا۔ ٹھنڈی خوشبودار ہوا ہوگی۔ اور وہ مزے سے گدے تکیوں سے لگے بیٹھے ہوں گے۔ ہم غریبوں کی ہر طرح مرن ہے کہ راحت کا کوئی سامان نہیں ہے۔ پنکھا جھلتے جھلتے ہاتھ تھکے جاتے ہیں۔ پنکھے سے بھی تو ہوا گرم نکلتی ہے۔ اس سے تو جاڑے اچھے ہوتے ہیں۔ خدا اس گرمی کو جلد دور کرے۔

بارش ہوتی تو کہتے کہ کیا غضب ہے جھڑی لگی ہوئی ہے۔ جدھر دیکھو اُدھر پانی ہی پانی اور کیچڑ ہی کیچڑ نظر آتی ہے۔ نہ کہیں کھیلنے کی جگہ ہے۔ نہ پانی کے مارے باہر جاسکتے ہیں۔ اب تو گھر میں گھسے گھسے دل گھبرا گیا۔ اس بارش سے تو گرمی ہی اچھی ہوتی ہے۔ دن اگر مصیبت سے کٹتا تھا لیکن رات تو آرام سے گذر جاتی تھی۔ اگرچہ مچھر بہت ستاتے تھے لیکن پچھلی رات کو ٹھنڈ ہو جاتی تھی تو پڑ کر سو تو رہتے تھے۔ اب تو یہ مصیبت ہے کہ گھڑی پلنگ اندر اور گھڑی پلنگ باہرے جانا ہوتا ہے۔ سب گھر والوں کی نیند خراب ہوتی ہے۔ جگہ جگہ سے گھر ٹپکتا ہے نہ رات چین ہے نہ دن کو آرام۔

جب جاڑے آتے تو کہتے کہ اللہ! اللہ! کیا کڑکڑاتا جاڑا پڑ رہا ہے کہ

ہاتھ پیر ٹھٹھرے جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑوں پر برف گری ہے۔
رات کو ہزار لکڑیاں جلا کر مکان گرم کرو لیکن سردی پیٹ سے پاؤں
علیحدہ نہیں کرنے دیتی۔
کبھی کہتے اگر ہم بھی امیر ہوتے تو آرام سے بسر ہوتی کبھی کہتے کہ کاش
ہم جانور ہوتے اور بال ہمارے جسم پر ہوتے۔ کبھی کہتے کہ ہم پرندے ہوتے
تو خوب ٹھنڈی ہوا میں اُڑتے کبھی کہتے کہ ہم پریاں ہوتے تو پرستان کی سیر
کرتے غرض وہ کسی موسم میں بھی خوش نہ تھے۔ اوس گاؤں میں ایک بزرگ
رہتے تھے۔ لوگ انھیں مستجاب الدعوات سمجھتے تھے۔ گھر میں ذکر ہوکرتا تھا
کہ فلاں بزرگ ایسے ہیں کہ جس کے واسطے دعا کرتے ہیں اللہ تعالے نے
قبول فرماتا ہے۔ ایک روز ان چاروں نے قصد کیا کہ چلو اُن بزرگ کے
نزدیک چلیں ان کی چھوٹی بہن بہت چھوٹی تھی کبیرہ جو سب سے بڑی تھی
بولی:۔

بھائی تم تو چلے جاؤ گے۔ لیکن میں ننھی (صغیرہ) کو چھوڑ کر کیسے جاؤں گی
ابا جان تو اپنی کھیتی کسانی کا کام دیکھنے چلے جاتے ہیں۔ اور
اماں اللہ کے یہاں سدھاریں اب صغیرہ کو میں کس پہ چھوڑوں

پھر ابا جان کے آرام کا انتظام بھی میرے ہی سر ہے۔

برکت اللہ نے کہا:۔

بہن تحصیل کا وقت بھی آگیا ہے۔ ابا جان تین چار روز کے لئے تحصیل داخل کرنے جایا ہی کرتے ہیں۔ اس وقت ان شاہ صاحب کے نزدیک چلیں گے۔ ان کی منڈئی دور ہی کتنی ہے۔ گاؤں سے باہر ہی تو رہتے ہیں۔ صغیرہ کو بھی اپنے ساتھ لے چلیں گے۔

کبیرہ نے کہا:۔

"یہ صلاح کی بات ہے"

غرض جنوری میں خریف کا لگان چکانے کا وقت آیا اور ان کا باپ تحصیل میں روپیہ لے کر چلا اور چاروں کو سمجھا گیا کہ لڑنا جھگڑنا نہیں اور محبت سے رہنا یہ نصیحت کر کے باپ جس کا نام دلاور تھا چلا گیا۔

برکت اللہ نے کہا:۔

"لو بہن! اب شاہ صاحب کے یہاں چلیں"

اب یہ چاروں بہن بھائی شاہ صاحب کے یہاں پہونچے۔ شاہ صاحب عبادت الٰہی میں مشغول تھے کیونکہ تہجد سے چاشت تک عبادت میں مصروف

رہتے تھے۔ جب تک وہ اپنے کام میں مصروف رہے یہ بیٹھے باتیں کرتے رہے کبیرہ انتظار سے اُکتا کر گھبرا رہی تھی اور شاہ صاحب سے کچھ عرض کرنا چاہتی تھی۔ صغیرہ روٹی مانگتی تھی۔ برکت اللہ گھر جانے کی جلدی مچا رہا تھا۔ اور کرامت اللہ سمجھا رہا تھا۔ غرض خدا خدا کرکے شاہ صاحب عبادت سے فارغ ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ :-

"تم نے بک بک کرکے میرا سر کھا لیا تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

کرامت اللہ بولا :-

"حضور! اگر ہمارے پر ہوتے تو ہم خوب اُڑتے ہم کو اللہ نے انسان بنا کر بڑی بڑی تکلیفوں میں گرفتار کردیا"

شاہ صاحب مسکرائے اور کہنے لگے :-

"اچھا بابا تیرے پر ہو جائیں گے تو پھر کیا کرے گا؟"

کرامت اللہ نے کہا:-

اُڑتے پھریں گے جہاں جی چاہے گا جائیں گے۔ دیووں اور پریوں کو دیکھیں گے۔

فقیر نے کبیرہ سے پوچھا:-

"تم کیا چاہتی ہو؟" اُس نے کہا:۔ "پر"

اور برکت اللہ تم؟

"حضور پر"

اور صغیرہ بغیر پوچھے بولی کہ:۔

"ہم کو بھی پر چاہئیں"

شاہ صاحب نے ہاتھ اُٹھا کر دعا کی کہ:۔

"یا رب العالمین یہ تیری مخلوق جیسا تو نے ان کو بنایا ہے اس پر راضی نہیں ہے۔ اور پر مانگتی ہے تو قادر ہے۔ ابھی پر دیدے"

ادھر شاہ صاحب نے دعا ختم کی اُدھر اُن کے بازو و نیز پر نکلنے شروع ہوے۔ اور یہ خوشی خوشی اپنے گھر واپس آے وہ پر شام تک اس قدر بڑھ گئے کہ اُن سے پرواز کرنے کے قابل ہو گئے۔ اب ان چاروں نے کہا کہ:۔

"رات ہونے دو جب سب لوگ سو جائیں گے۔ تو ہم چاروں اُڑیں گے اور آسمان پر چکر لگائیں گے"

رات کا انتظار ان کو پریشان کر رہا تھا خدا خدا کر کے رات ہوئی

کبیرہ نے جو کچھ بھاجی روٹی پکائی تھی جلد کھا کر سب فارغ ہوئے۔ جب گاؤں میں سب لوگ سوگئے تو ۸ بجے رات کو اونھوں نے اوڑان بھری اور خوب آسمان پر چکر کاٹے۔ رات اندھیری تھی۔ مگر یہ چاروں بہت خوش تھے۔ اوڑتے اوڑتے ایک جزیرہ میں پہونچے۔ یہ دراز قدوں کا جزیرہ تھا۔ یہاں ۶۰۔۷۰ گز کے آدمی رہتے تھے۔ یہ ایک مکان میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ گھر والے میاں بی بی اور چار بچے ایک ساتھ کھانا کھا رہے ہیں ان بچوں کو بھی بھوک معلوم ہوئی کیونکہ رات کے ۹ بجے کے اُڑے ہوئے تھے اب صبح کے سات بج گئے تھے۔ یہ بچے میز پر جا بیٹھے یہ اُن قد آور لوگوں کے سامنے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے مکھیاں۔ دراز قدوں کے بچوں نے اپنے والدین سے کہا کہ:۔

"دیکھو اماں جان یہ نئی قسم کی مکھیاں آئی ہیں"

ابا تم بھی تو دیکھو یہ کہکر بچے ان کے پکڑنے کو دوڑے یہ غریب اوڑے اور سارے کمرہ میں اُڑتے پھرتے تھے۔ یہاں تک کہ تھک کر چور ہو گئے برکت اللہ اور کرامت اللہ تو دونوں مکان کی چھت کے گوشہ میں چھپ کر بیٹھ گئے لیکن صغیرہ جو بہت چھوٹی تھی وہ ان بچوں کے ہاتھ آگئی اور بچوں نے اسے

اپنے صندوقچہ میں بند کر دیا۔ جو ہم لوگوں کے صندوق کے برابر تھا۔
اب بیچاری صغیرہ مایوس ہو کر صندوق کے ایک کونے میں جا بیٹھی۔
کبیرہ نے جب اپنی بہن کا یہ حال دیکھا تو بہت ہی پریشان ہوئی۔
اور بچّوں کو اُڑ اُڑ کر یہ مارتی تھی۔ کبھی ہاتھ سے مارتی اور کبھی لاتیں
مارتی۔ یہ بچّے کبیرہ کی دوا دوش سے بہت ہی پریشان ہوئے۔ اور
اس کے پکڑنے کی کوشش کی۔ آخر کبیرہ بھی پکڑی گئی۔ اور اُسی صندوقچہ
میں اس کو بھی بند کیا گیا کبیرہ قید تو ہو گئی۔ مگر اس کو بجائے رنج کے
خوشی ہوئی کیوں کہ اپنی بہن کے پاس پہونچ گئی۔
کبیرہ نے دیکھا کہ صغیرہ صندوقچی کے ایک کونے میں چپکی ہوئی زار زار
رو رہی ہے کبیرہ نے صغیرہ کو پیار کیا۔ اور اپنی جیب سے نکال کر ایک توس کا
ٹکڑا دیا۔ جس کو اس نے میز پر بیٹھتے ہی اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ یہ ٹکڑا اچھا
توس کے برابر تھا۔ غرض ان دونوں بہنوں نے آدھا آدھا کھا کر خدا کا شکر کیا۔
اور انتظار کرنے لگیں۔ کہ کب ہمارے چھٹکارے کا وقت آئے۔ اب یہ دراز قد
لوگ کھا پی کر فارغ ہوئے۔ والدین تو باہر چلے گئے اور بچّے پڑھنے کو
بیٹھ گئے۔ کیوں کہ اُن کا ماسٹر آ گیا تھا۔ برکت اللہ اور کرامت اللہ جھپٹ کے

کونے سے نکلے اور آپس میں کہنے لگے کہ:-

"چلو بھائی اب بہنوں کو تلاش کریں"

برکت اللہ نے صغیرہ کو صندوقچہ میں بند ہوتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے اپنے بھائی سے کہا:-

"وہ تو صندوق میں بند ہے"

کرامت اللہ نے کہا:-

"چلو کوئی تدبیر کھولنے کی کریں"

اب دونوں بھائیوں نے صندوقچہ کو دیکھنا شروع کیا۔ اس میں ایک طرف چھوٹا سا سوراخ تھا۔ جو کسی کیل کے نکلنے سے ہو گیا تھا۔

کرامت اللہ نے کہا کہ:-

"کاش ہمارے نزدیک ہتوڑی ہوتی تو ہم صندوق کو توڑ ڈالتے"

کبیرہ نے اندر سے آواز دی اور کہا کہ:-

"بھائی میز پر چھری کانٹے رکھے ہیں اُن سے مدد لو۔ اور خدا کے واسطے ہم کو یہاں سے نکالو ورنہ ہم یہاں بے آب و دانہ رہ کر مرجائیں گے۔ ابھی تک تو اس توس پر گزارہ ہو گیا ہے جو میں

میز پر سے اُٹھا لائی تھی۔ جس کو ہم دونوں بہنوں نے کھا لیا
ہے۔ لیکن پیاس کے مارے مرے جاتے ہیں۔ ادھر صندوق
میں تازہ ہوا سے بھی محروم ہیں۔ اگر اسی طرح چوبیس گھنٹے
گزر گئے تو ہم زندہ نہیں رہیں گے۔"

کرامت اللہ میز کی جانب گیا تاکہ کانٹا لاکر صندوق کھولنے کی کوئی تدبیر
کرے لیکن وہ کانٹا اس قدر بڑا تھا کہ اس سے اُٹھ نہیں سکا۔ آخر یہ ادھر اُدھر
ڈھونڈھنے لگا اور دونوں بھائی پریشان تھے کہ برکت اللہ کو ایک کیل
پڑی ہوئی ملی۔ جو رول کی طرح موٹی اور ایک ہاتھ لانبی تھی۔
برکت اللہ خوشی خوشی آیا۔ اور اُس صندوق کے چھید میں اڑا کر
زور کیا۔ آخر کار اُس کا ایک تختہ نکل گیا۔

اب دونوں بہنوں نے آزاد ہو کر پرواز کی اور ندی پر جو ایک دریا
کے برابر تھی جا کر دم لیا۔ یہاں ان چاروں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا
اور قریب کے ایک درخت پر ذرا ٹھہر کر آرام کیا۔ مغرب کے بعد وہاں
سے اُڑ کر روانہ ہوئے۔ خدا کا شکر ہے کہ ان کو راستہ یاد رہا ورنہ نہ معلوم
کہاں کہاں بھٹکتے پھرتے اور حیران و پریشان ہوتے۔ اپنے گاؤں میں

پہونچ کر سیدھے شاہ صاحب کے منڈوے میں اُترے۔

شاہ صاحب نے دریافت کیا:۔

"کہو بابا خوب سیر کی"

اُنھوں نے کہا:۔

"جی ہاں! حضرت! اُڑنا تو بہت ہی اچھا معلوم ہوا۔ لیکن اُس کے ساتھ ہی ایسی مصیبت میں گرفتار ہوئے کہ خدا ہی نے جان بچائی کہ پھر آپ کے قدموں کی زیارت نصیب ہو گئی۔ صغیرہ کے پر دراز قد لوگوں کے بچّوں نے اس قدر توڑ ڈالے کہ اُس کو پیٹھ پر لاد کر لانا پڑا۔ اسی سبب سے ہم کو بہت دیر ہو گئی اور بارہ بجے دن کو یہاں پہونچے۔"

شاہ صاحب نے کہا۔ "اب کیا چاہتے ہو کہا:۔

"حضور جیسے تھے ویسے ہی ہو جائیں۔ ہم پروں سے درگزرے"

شاہ صاحب نے کہا:۔

"بابا! انسان کو ہمیشہ خدا کا شکرگزار رہنا چاہیے خواہ کسی حالت میں بھی ہو۔ خدا کا کوئی کام مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں ہے۔



خدا کا کوئی کام مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں ہے

ہر حالت میں راضی بہ رضا رہنا چاہیے۔ صبر و قناعت

اطمینان اور کامیابی کی کنجی ہے"

یہ نصیحت کر کے شاہ صاحب نے دعا کی جو مقبول ہوئی۔ بچّوں کے پر

جھڑ گئے اور وہ اپنے گھر میں آ گئے۔

دوسرے روز ان کا باپ آیا اور انھوں نے اس کو اپنا قصہ کہہ سنایا۔

باپ نے کہا:۔

"خبردار پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔ نہ کسی فقیر کی آزمائش کرنا۔

"مردانِ خدا خدا نہ باشند لیکن ز خدا جدا نہ باشند"

خدا تعالےٰ دانا بینا ہے۔ اس نے انسان کو ویسا ہی بنایا

جس کی اس کو ضرورت تھی اگر اس کے نزدیک مناسب

ہوتا تو وہ انسان کو پر دے دیتا۔ لیکن اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے

کہ بجائے پروں، تیز ناخنوں اور نکیلے دانتوں کے۔ مناسب

اعضا، خوب صورت دانت اور اچھے ناخن دیے۔ سب سے

زیادہ قابل قدر اور بیش قیمت چیز تم کو عقل دی جس کے باعث

تم حیوانات پر یعنی درندوں، پرندوں اور چرندوں پر غالب ہو۔

دیکھو ! اگر تم میں عقل نہ ہوتی تو اپنی بہنوں کو قید سے کیسے چھڑاتے۔
پریوں نے تم کو بلا میں پھنسایا لیکن عقل کی مدد سے تم بچ گئے
اور صحیح و سلامت اپنے گھر پہونچے۔ خدا کا شکر کرو کہ تم کو
اشرف المخلوقات بنایا ہے"

نسترن نے قصّہ ختم کیا تو سوسن نے کہا کہ اب میری باری ہے۔
میں تم کو بڑے مزے کا قصّہ سناؤں گی۔ دیکھو! بیچ میں
ہنسنا نہیں۔





کہانی سوسن کی زبانی

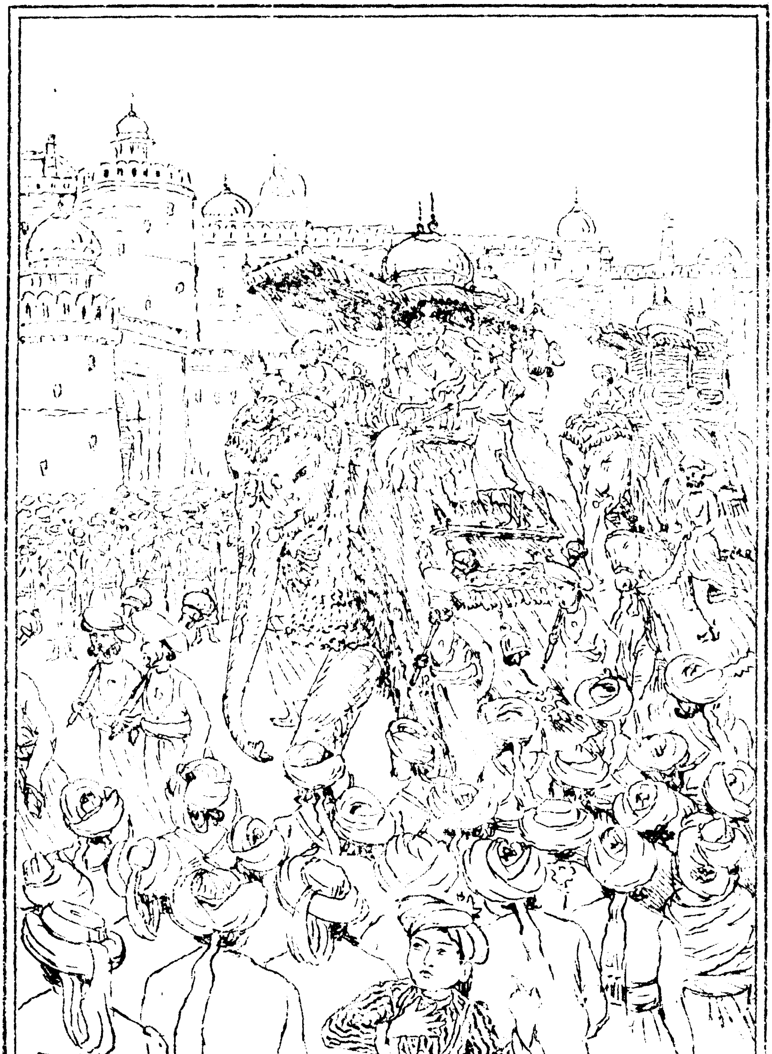
لکھنؤ میں ایک لڑکی رہتی تھی جو بہت سُست تھی کسی کام میں اس کا دل نہیں لگتا تھا شب و روز اُس کی زبان پہ یہ تھا کہ کاش میں ایسے گھر پیدا ہوئی ہوتی جہاں بہت سی خادمائیں اور نوکر چاکر میری خدمت میں ہوتے اس کی ماں واجد علی شاہ کے زمانے میں کسی محل میں ملازم تھی - یہ لڑکی اکثر بیگمات کے طریقوں کو دیکھتی رہتی تھی کہ اگر ایک دالان سے دوسرے دالان میں یا ایک کمرہ سے دوسرے

کمرے میں جانا ہوتا تو کہاریاں اُن کو ہوادار میں بٹھا کرلے جاتی تھیں۔ سیکڑوں کہاریاں اسی خدمت کے لیے ہر وقت حاضر رہتی تھیں۔ وہ کھانا جب کھا چکتیں تو گلوری بردار گلوریاں لاتیں۔ یہ مُنہ کھول دیتیں اور وہ مُنہ میں رکھ دیتیں۔ ذرا دو قدم چلتیں تو دو خواصیں پائینچے اُٹھاتیں۔ اُن کی نزاکت یہ بھی اجازت نہ دیتی کہ اپنے پائینچے خود اُٹھا لیتیں۔

قصّہ کوتاہ یہ کاہل لڑکی ایسی بیگموں کو دیکھ کر بہت ہی للچائی اور ہمیشہ دعا کرتی کہ کاش میں بھی ایسے گھر پیدا ہوتی کہ کہیں کی بیگم ہوتی۔ بہت سی پیش خدمتیں، کہاریاں، اتّائیں، ددائیں اور مامائیں میرے نزدیک ہوتیں کہ مجھ کو ذرا بھی چلنا نہ پڑتا۔ ایک روز یہ لڑکی اپنی نانی کے ساتھ ایک غار کی طرف گئی وہاں ایک اللہ کے دوست بڑے بزرگ بیٹھے تھے۔ اس کی نانی نے سلام کیا اور اپنا مطلب فقیر سے بیان کیا۔

فقیر نے کہا کہ:-

"مائی صاحب بھلا ہوگا۔ خدا تیری مراد پوری کرے گا"



کاش کہ میں دہلی کا بادشاہ ہوتا

لڑکی نے جو یہ سُنا تو آگے بڑھ کر کہا:۔

"میاں صاحب میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں میری مراد یہ ہے کہ میں شہزادی ہوتی اور اس طرح زندگی بسر کرتی کہ مجھے ذرا سا بھی کام نہ کرنا پڑتا"

نانی کہنے لگی کہ:۔

"میاں صاحب دعا کیجیے کہ اس کا نصیب اچھا ہو"

فقیر نے کہا:۔

"مائی اچھا بُرا تو میں نہیں جانتا مگر اس لڑکی کی دعا قبول ہوئی"

یہ سُن کر دونوں کو اتنی خوشی ہوئی کہ جامے میں نہ سمائیں۔

واپسی کے وقت نانی تو ایک جھاڑی کے قریب نالے پر مُنہ ہاتھ دھونے بیٹھ گئی اور لڑکی نالے سے تھوڑے فاصلے پر جامن کے درخت کے نیچے لیٹ گئی۔ کیونکہ آج عادت کے خلاف اس نے ایک فرلانگ راستہ پیدل طے کیا تھا۔ شہر سے تو یہ ڈولی میں بیٹھ کر آئیں تھیں۔ لیکن فقیر صاحب جس غار میں رہتے تھے وہاں ڈولی کے جانے کی راہ نہیں تھی۔ کہاروں نے درختوں کے نیچے ڈولی رکھ دی تھی

اور آپ حُقّہ تمبا کو پینے لگے تھے۔ پندرہ منٹ تک اس کی نانی مُنھ ہاتھ دھوتی رہی اور پھر پان چھالیہ کھاتی رہی اور میاں صاحب کی قبولیت دعا کی خوش خبری کو سوچتی رہی جب پندرہ بیس منٹ گزر گئے تو اس نے کہاروں کو آواز دی۔ کہار ڈولی لائے۔ پھر اُس نے لڑکی کو پکارا کہ :۔

"بنّو! چلو شام ہو رہی ہے سوار ہو جاؤ"

مگر بنّو کا پتہ نہیں۔ اب یہ جنگل میں پکارتی پھرتی ہے لیکن کہیں سے جواب نہیں آتا۔ کہار بھی ڈھونڈھتے پھرتے ہیں لیکن بنّو کہیں ہو تو ملے۔

آخر بُڑھیا پریشان اور بدحواس ہو کر غار کی طرف گئی اور فقیر کے سامنے زار زار رونے لگی اور کہنے لگی کہ :۔

"میاں صاحب میں لُٹ گئی میری بنّو اس جھاڑی میں غائب ہو گئی نہیں معلوم شیر کھا گیا یا بھیڑیا لے گیا"

شاہ صاحب نے کہا :۔

"مائی گھبرا نہیں تیری بنّو کی دعا قبول ہو گئی۔ دوسری جمعرات کو تو آنا تیری بنّو یہیں مل جائے گی"

بُڑھیا روتی پیٹتی واپس آئی اور فقیر کے وعدے سے اپنے بے قرار

دل کو تسکین دے کر ڈولی میں بیٹھ گئی اور گھر پہونچی۔
بنّو جو درخت کے نیچے سو گئی تھی خواب میں کیا دیکھتی ہے کہ ایک عورت آئی اور اس سے دریافت کرنے لگی کہ:۔

"تیری کیا تمنا ہے؟"

اس نے اپنی آرزو بیان کی۔ اس نے کہا کہ:۔

"یہ تیری آرزو پوری ہوئی"

بنّو نے کہا کہ:۔

"تم کون ہو؟ اور تمھارا کیا نام ہے؟"

اس نے کہا کہ:۔

"تم کو میرے نام سے کیا غرض تم کو اپنے کام سے کام۔ تم مجھے بتاؤ کہ تمھاری خواہش کیا ہے؟"

بنّو نے کہا:۔

"شہزادی بننے کی"

عورت نے کہا:۔

"شہزادی بنّو"

اور آسمان کی طرف دیکھا - فی الفور ایک ابر کے ٹکڑے سے ایک لینڈو گاڑی نمودار ہوئی - عورت نے کہا :-

"جلد سوار ہو"

بٹو سوار ہو گئی اور عورت بھی اس کے ہمراہ بیٹھ گئی -

اب گاڑی روانہ ہوئی - اس گاڑی میں چھ گھوڑے جتے ہوئے تھے کوچوان اور سائیس ایسی زرق برق وردی پہنے ہوئے تھے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی آخر ایک محل پہ پہونچی اور پورچ میں ٹھہری زینہ پر چڑھنا چاہا مگر عورت نے اس کو روکا کہ :-

"تم تکلیف نہ کرو تم کو تو لوگ ہاتھوں ہاتھ لے جائیں گے"

یہ جملہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ چھ عورتیں نہایت عمدہ زریں لباس پہنے ہوئے نمودار ہوئیں - ان کے زردھانگری کے لہنگے تھے جن پر چوڑی چوڑی سنجاف ٹکی ہوئی تھی - کامدانی کے تنگ و چست شلوکے کرکری کے دوپٹے کارچوبی کام سے بنے ہوئے تھے -

دو قلماقنیاں چھتر اور چنور لیے ہوئے تسلیم بجالائیں -

دو کہاریاں چھم چھم کرتی ہوئیں ہوادار لے کر حاضر ہوئیں - ان کے

ہاتھوں میں سونے کے جڑاؤ کنگن تھے اور پاؤں میں چھاگل پڑے ہوئے تھے۔ چھما چھم کرتی ہوئیں ہوادار لے کر حاضر ہوئیں ہوادار میں کار چوبی سُرخ مخمل کی گادیاں لگی ہوئی تھیں۔

دو خواجہ سرا بھی زرق برق لباس پہنے ہوئے آئے۔ آگے بڑھ کر زمیں بوسی کی اور آداب بجا لائے۔ پھر بنّو کو گاڑی میں سے اُٹھا کر ہوادار میں بٹھلایا اور نہایت تزک و احتشام کے ساتھ بسم اللہ کہہ کر اُٹھایا۔ قلماقنیاں آگے اور خواجہ سرا پیچھے تھے۔

یہ عورت جس کے ساتھ بنّو آئی تھی نہایت ہی پُر تکلف لباس پہنے تھی۔ جلد جلد ہوادار سے آگے آگے چلی گئی تاکہ اس کے استقبال کے واسطے انتظام کرے۔ کہاریاں آہستہ آہستہ ہوادار کو سنگ مرمر کے زینے پر لے جا رہی تھیں۔ اور بنّو بہت خوش ہو رہی تھی کہ میں اب شہزادی ہو گئی اب مجھ کو کوئی کام کرنا نہیں ہوگا اور کہنے لگی:۔

"لیکن اس قدر آہستہ ہوادار جا رہا ہے کاش کہ تیز جاتا۔ کیوں کہ اگر میں پیدل چلتی تو اب تک کبھی کی محل میں۔

پہونچ جاتی اور دیکھ لیتی کہ کیسا محل ہے"

خدا خدا کر کے ہوادار زینوں اور گیلریوں سے گزرتا ہوا ایک نہایت شان دار ہال کے دروازہ پر پہونچا۔ اور اُس میزبان عورت نے اہلاً و سہلاً کہا۔

بنّو نے چاہا کہ ہوادار سے نیچے اُترے مگر اس عورت نے روکا۔ چار کہاریوں نے ایک مرصع تخت جس پر کارچوبی سبز مخمل کی مسند بچھی ہوئی تھی ہوادار کے سامنے رکھا۔ خواجہ سراؤں نے بنّو کو اُٹھا کر تخت پر بٹھا دیا۔

بنّو چاہتی تھی کہ ہوادار سے اُتر کر اور اپنے پیروں چل کر محل کو دیکھے لیکن غیبی خانم جو اس کو لے کر آئی تھیں کہنے لگیں کہ:۔

"حضور تکلیف نہ کریں خواجہ سرا اُتار لیں گے"

شہزادی بنّو بہت خوش ہوئیں۔ اب کہاریاں تخت کو ایک وسیع ہال میں لے گئیں جو سنگ مرمر کا تھا اور اس پر جواہرات کے نقش و نگار تھے۔ اور نہایت خوشنما اور قیمتی سامان سے آراستہ تھا۔

شہزادی بنّو نے دیکھا کہ پچاس خوب صورت بیگمات بیٹھی ہیں۔ وہ سب استقبال کو کھڑی ہو گئیں۔ اور آداب بجا لا کر سالماً غانماً کی آواز سے

ہال کو گونجا دیا۔

پچاس سردار اُمرا اور وزرا دوسری جانب استادہ تھے۔ جابجا قرینہ سے ۱۰۰ خواجہ سرا۔ ۵۰۰ قلماقنیاں اور ۸۰۰ کنیزیں۔ انائیں اور ددائیں دست بستہ کھڑی تھیں۔

ایک مجمع تھا جو صدقے واری ہو رہا تھا۔ بلائیں لے رہا تھا جن کی انگلیوں کی چٹخنے کی آواز سے تمام ہال گونج رہا تھا۔ یہاں پہونچ کر خادماؤں نے شہزادی کو ایک دوسرے بیضاوی تخت پر بٹھادیا جس پر کارچوبی مخمل کی مسند بچھی ہوئی تھی۔ اور بڑے بڑے موتیوں کی جھالر لگی ہوئی تھی۔ پیچھے گاؤ تکیہ لگا ہوا تھا جس میں سینبھل کی روئی بھری ہوئی تھی اور اُس پر کارچوبی کام تھا۔ جس کا مُنھ ریشم کی ڈوریوں سے جن میں مُقّیشی پھندنے لگے ہوئے تھے بندھا ہوا تھا۔ دونوں طرف دو تکیے اسی شان کے لیکن چپٹے لگے ہوئے تھے اور ان میں یاقوت و زمرد ٹکے ہوئے تھے۔

شہزادی خود دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہی تھیں۔ کہ اب میری مراد پوری ہوئی۔ تمام درباری بیگمات نے مجرا بجا لا کر نہایت ادب سے گزارش کی کہ:-

"ہم جاں نثار سب حضور کی خدمت کے واسطے حاضر ہیں۔ حضور کو
ہاتھ ہلانے کی بھی تکلیف نہ ہوگی۔"

شہزادی بنّو کی زبان سے کوئی لفظ نکلنے کو تھا کہ ایک بیگم نے کہا کہ:-

"حضور کیوں تکلیف فرماتی ہیں۔ بات کرنے سے تکلیف ہوگی۔ حضور کی
لونڈیاں کس واسطے ہیں۔ حضور کوئی جملہ اپنی زبان مبارک سے نہ
نکالیں میں ان خدمات کے واسطے حاضر ہوں اور فرمانبردار کا
نام ناطقہ ہے۔"

شہزادی بنّو نے قہقہہ مار کر کہا:-

"بھلا تم کیونکر سمجھ سکو گی کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔"

ناطقہ نے پھر ادب سے کہا کہ:-

"حضور للہ تکلیف نہ فرمائیں مجھے خدا نے یہ قدرت عطا کی ہے جو
حضور کہنا چاہیں گی میں کہہ دوں گی۔"

اتنے میں خاصہ بردار آئی اور عرض کرنے لگی کہ:-

"حضور خاصہ تیار ہے۔ اور اگر کسی مخصوص چیز کے واسطے حکم ہو
تو صرف حکم ہی کی دیر ہے۔"

بنّو چاہتی تھی کہ کچھ کہے لیکن ناطقہ نے دس چیزوں کی فہرست
خاصہ بردار کے ہاتھ میں دے دی کہ شہزادی کو یہ مطلوب ہے۔
خاصہ بردار آداب بجا لا کر چلی گئی۔ کھانوں کی فہرست شہزادی
بنّو کے سامنے پیش ہوئی۔ بنّو ہاتھ بڑھا کر اُس کو لینا چاہتی تھی کہ خواجہ سرا
نے جلدی سے لے کر عرض کیا:۔

"خادم ان ہی کاموں کے واسطے حاضر ہے۔ حضور کو تکلیف
کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اور شروع سے آخر تک سُنادی۔
شہزادی بنّو نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ ناطقہ نے فوراً خاصہ بردار کو حکم دیا کہ:

"دسترخوان پر مرغ مسلّم، انڈوں کا قلیہ، قورمہ، مچھلی کے کباب،
نرگسی کوفتہ، پراٹھا، شیرمال، سموسہ، مزعفر، بریانی اور فیرنی لگا دو۔
پھر عرض کیا کہ آپ تکلیف نہ کریں۔"

اب بنّو کو گھبراہٹ شروع ہوئی کہ یا اللہ میں اچھی پھنسی۔
خواجہ سرا نے فہرست خاصہ بردار کو دی اور وہ لے کر کھانے کے
کمرے میں چلی گئی۔ غرض ایک خواص نے ایک چھوٹی سی چوکی تخت کے

سامنے رکھی۔

گنگا جمنی سلابچی لائی گئی۔ اور جڑاؤ ڈبیا میں اُبٹن لاکر رکھا گیا چار خواصیں آگے بڑھیں اور یہ کہہ کر کہ :۔

"دکھانے سے اول ہاتھ دھو لیجیے"

بنّو کی آستینوں کے بٹن کھولے اور کہنیوں تک آستینیں چڑھائیں۔ ایک جڑاؤ کشتی میں لبقہ رکھا ہوا تھا اور دو صابون دان جڑاؤ تھے۔ خواصوں نے بنّو کی کہنیوں تک صابون لگایا۔ دو خواصوں نے سلابچی اُٹھائی۔ دو نے آفتابے لیے۔ اور اُن دونوں نے جنھوں نے صابون ملا تھا بنّو کے ہاتھ سلابچی تک جھکا دیے اور آفتابہ برداروں نے پانی ڈالنا شروع کیا۔ جب صابون دُھل گیا تو دو نے آکر اُبٹن ملا تاکہ صابون کی چھچلاند نکل جائے اگرچہ وہ ایلٹ صابون تھا لیکن چونکہ اس میں چربی ملی ہوئی ہوتی ہے اس لیے اُبٹن ملنا ضرور تھا۔ جب اس احتیاط کے ساتھ ہاتھ دُھل چکے تو تنزیب کے نرم نرم رومالوں سے خشک کیے گئے اُس کے بعد ناطقہ نے کہا :۔

"سر میں کنگھی کرو چنبیلی کا تیل ڈالو اور چوٹی گوندھو"

فی الفور چار خواصیں ایک دوسری چوکی لائیں جس پر کنگھی، سرمہ دانی اور مسی کی ڈبیا رکھی ہوئی تھی انھوں نے جلدی سے کنگھی کر موباف ڈال سُرمہ آنکھوں میں لگا تیار کر دیا۔

شہزادی بنّو بہت خوش ہوئیں اور کہنا چاہتی تھیں، کہ یہ میری آرزو اور مراد تھی کہ ناطقہ نے کہا :۔

"حضور بولنے کی تکلیف گوارا نہ فرمائیں"

جب شہزادی تیار ہو گئی تو کہاریاں آئیں اور ایک چھوٹے ہوادار میں بٹھا کر کھانے کے کمرہ میں لے گئیں اور ایک مسند پر جس کے قریب دسترخوان بچھا ہوا تھا بٹھا دیا۔ مرغ مسلم کی پلیٹ سامنے لا کر رکھی اور ایک پلیٹ سامنے سرکا دی جس میں چھری کانٹے رکھے ہوئے تھے۔ ایک پیالی میں پودینہ کی پسی ہوئی چٹنی تھی اور ایک چھوٹی رکابی میں ایک لیمو کٹا ہوا رکھا تھا۔ جیسے ہی شہزادی نے مرغ کو چھری سے کاٹنے کا ارادہ کیا اور چاہتی تھی کہ کاٹ کر خالی رکابی میں رکھے کہ معاً ایک خواص فوراً آگے بڑھی مرغ کو چھری سے کاٹا اور اُس پر چٹنی لگا کر تھوڑا لیمو نچوڑا۔

شہزادی بنّو بہت خوش ہوئی کہ اتنی محنت بھی مجھے نہ کرنی پڑی۔

جب اس طرح سے مُرغ مسلّم کے ٹکڑے کاٹ کر شہزادی کے سامنے رکھے گئے اور اُس نے کھانے کا ارادہ کیا کہ فوراً ایک عرض بیگی آگے بڑھی اور عرض کیا کہ:-

"حضور تکلیف نہ کریں میں کھا لوں گی"

یہ چاہتی تھی کہ اس کا نام پوچھے ناطقہ نے جو قریب ہی کھڑی تھی کہا کہ:

"حضور اس کا نام اشتہا خانم ہے۔ یہ کھالے گی حضور کیوں تکلیف کریں"

اب تو شہزادی نبو کو غصہ آیا اور تیوری چڑھا کر خفا ہونا چاہتی تھی کہ فوراً ایک پیش خدمت نے سامنے آکر عرض کی کہ:-

"حضور ملال نہ کریں میں سمجھ لوں گی"

ناطقہ جلدی سے بولی:-

"ہاں بوا ناراضی خانم یہ تمھارا کام ہے"

شہزادی کے بلا تکلیف کیے ہوئے ناراضی خانم بہت چیخی چلائی کہ:-

"واہ واہ بی اشتہا خانم یہ بھی کوئی طریقہ ہے کہ تم کھانے لگیں اور شہزادی کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتیں"

جس وقت ناراضی خانم اشتہا خانم پر خفا ہو رہی تھی تو ہاتھ ہلا ہلا کر

اور کمر مٹکا مٹکا کر منھ بناتی جاتی تھی آنکھیں نکالتی تھی۔ دانت چباتی تھی۔ شہزادی تو حیران اس کا منھ تک رہی تھی اور اپنے دل میں کہتی تھی کہ:-

"اب میں کسی پر کبھی خفا نہ ہوؤں گی کیونکہ خفگی میں کیسے بڑے بڑے منھ بنتے ہیں"

غرض ناراضی خانم تو خفا ہوتی رہیں اور اشتہا خانم اپنا کام کرتی رہیں یہاں تک کہ رکابی صاف کر دی۔ خاصہ بردار نے ایک دوسری بریانی کی رکابی اس کے سامنے رکھ دی پھر ایک بورانی کا پیالہ اور ایک چمچہ طلائی بھی رکھا۔ شہزادی اپنے سامنے کی دوسری رکابی میں بریانی نکالنا چاہتی تھی کہ اشتہا خانم نے کہا:-

"حضور تکلیف نہ فرمائیے"

اور جلدی سے بریانی نکال کر اور بورانی ملا کر کھانا شروع کر دیا۔ شہزادی حیران ہو کر دیکھتی تھی کہ:-

"یہ عجب تماشا ہے اگر یہی حال رہا تو میں بھوکی مر جاؤں گی"

یہ تو اس کشمکش و پیچ میں تھی اور ادھر اشتہا خانم نے اس رکابی کو

بھی صاف کر دیا۔

خواص نے اس خالی رکابی کو علحدہ کر دیا ایک قلیہ کا پیالہ اور ایک شیرمال کی رکابی لا کر رکھی اشتہا خانم نے اس کو بھی نوشِ جاں کیا۔

اب تو شہزادی ننّھو بہت ہی کھسیانی ہوئیں لیکن اس کو نہ کوئی بات کرنے دیتا تھا اور نہ ہلنے دیتا تھا۔

خواص نے فیرنی کی قاب جس پر ورق طلائی لگا ہوا اور اس میں جو کیوڑا پڑا تھا اُس کی خوشبو سے تمام ہال مہک رہا تھا۔ ننّھو کے آگے رکھی اور ایک مرصع چمچہ بھی پیش کیا مگر اشتہا خانم نے فوراً کھانا شروع کر دیا۔

یہ حالت دیکھ کر شہزادی ننّھو کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اتنے میں ایک خواص جس کا نام **افسردہ خانم** تھا آئی شہزادی کے ہاتھ میں رومال دے کر کہا کہ:۔

"حضور تکلیف نہ فرمائیں یہ خادمہ حاضر ہے۔ حضور کیوں روئیں۔ حضور کے دشمن روئیں"

یہ کہہ کر رونا شروع کر دیا اور خوب چیخیں مار مار کر روتی رہی۔ جب یہ



حضور تکلیف نہ فرمائیں

رد چکی تو سلانچی آفتابہ لایا گیا۔ اور اس کے ہاتھ دُھلائے گئے شہزادی بنّو تعجب اور افسردگی سے اس کو دیکھتی رہی۔ دستر خوان بڑھا دیا گیا ناطقہ نے کہا:۔

"چلیے حضور کو فرحت منزل میں لے چلیں۔ افسردگی دور ہو"

شہزادی بنّو کی عمر کوئی دس سال کی ہو گی۔ اس کو کہاریاں اُٹھا کر فرحت منزل میں لے گئیں۔ یہاں اس نے دیکھا کہ تمام مکان میں الماریاں رکھی ہوئی ہیں اُن میں طرح طرح کے کھلونے نہایت سلیقہ اور ترتیب سے چُن کر رکھے گئے ہیں گُڑیاں، گھوڑے، گاڑیاں، ہاتھی، شیر، بکری، جنگل، باغ، دریا اور سمندروں کے نقشے پہاڑوں اور وادیوں کے اسکیچ میپ، ٹرینیں، موٹریں، ایروپلین، زیپلن، ڈریڈ ناٹ، تارپیڈو کشتیاں یہ سب اشیاء مختلف قسم کی وہاں موجود تھیں ان کے دیکھنے سے قدرے افسردگی دور ہوئی۔ بنّو بھی بہت خوش ہوئیں کہ چلو کھیلیں گے۔ چاہتی تھیں کہ ایک گُڑیا اُٹھائیں لیکن ایک کم سن خواص جس کا نام **کھلونا** تھا آگے بڑھی اور کہنے لگی کہ:۔

"حضور تکلیف نہ فرمائیں میں کھیلوں گی"

گڑیا جلدی سے ہاتھ میں اُٹھا کر اُس کو پالنا جھلانے لگی۔
شہزادی بنّو ایک بائیسکل اور ایک گھوڑے کی طرف جھکی کہ اُس سے کھیلے دوسری چھوٹی لڑکی جس کا نام لعبت تھا سوار ہو کر اس کو پھرانے لگی شہزادی بہت ہی رنجیدہ ہوئی کہ یہ عجیب تماشا ہے کہ مجھ کو کسی چیز سے ہاتھ ہی نہیں لگانے دیتے۔ یہ خیال ہی کر رہی تھی کہ ایک ہوادار لایا گیا اور اس کو بٹھا کر خوابگاہ میں لے گئے یہاں ایک جڑاؤ چھپر کھٹ بچھا ہوا تھا مخمل کی توشک اور تنزیب کی چادر تھی اور مقیش کے پھندنے لٹک رہے تھے۔ ایک سبز گلوب کا بلوری لیمپ رکھا ہوا تھا۔ تمام بستر نہایت بیش قیمت کپڑوں سے تیار کیا گیا تھا۔ چھپر کھٹ پر ریشمی زرّیں پردے پڑے تھے۔ خواصوں نے چھپر کھٹ پر شہزادی بنّو کو لٹا دیا ایک حسین لڑکی جو اسی کی عمر کی تھی وہ دوسرے چھپر کھٹ پر لیٹ گئی۔ ناطقہ تو آداب بجا لا کر رخصت ہوئی۔ دوسری دو خواصیں آئیں ایک پیر دابنے لگی اور دوسری پنکھا جھلنے لگی۔ اب شہزادی آنکھ بند کرنا چاہتی ہے تو وہ دونوں خواصیں اُس کو ہلا دیتی ہیں کہ:۔

"حضور آنکھ نہ بند کیجیے راحت خانم آپ کے بدلے سولے گی"

غریب بنّو کو اس سے سخت تکلیف پہونچی اور وہ سسکیاں لے کر رونے لگی۔ تمام رات یوں ہی گزر گئی۔ ادھر سفیدۂ سحری نمودار ہوا کہ ایک آواز سُنائی دی کہ:۔

"بس اب اپنا کام ختم کرو جیسی اس نے ناشکری کی تھی ویسی ہی سزا بھی پائی"

یہ آواز کیا تھی گویا بیہوش کرنے والی (کلورا فارم) دوا کا اثر رکھتی تھی۔ شہزادی کی آنکھ لگ گئی اور غریب ایسی سوئی کہ پچھلے دن کو آنکھ کھلی۔ جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتی ہے کہ فقیر کے منڈوے کے نزدیک ایک کھرنی کے درخت کے نیچے پڑی ہوئی ہے۔ یہ جلدی سے اُٹھی اور وہیں کنوئیں پر جو رسّی ڈول تھا اس سے پانی کھینچا۔ وضو کیا دو رکعت نماز شکرانہ کی ادا کی کہ خدا نے بلا سے نجات دی اور پھر بعد نماز عصر شاہ صاحب کی خدمت میں سلام کو گئی۔

شاہ صاحب اس کو دیکھ کر مسکرائے اور کہنے لگے کہ:۔

"کیوں مائی کفرانِ نعمت کا مزا چکھا"

بنو مُنھ دیکھنے لگی اور کہنے لگی کہ:۔

"میں آپ کی گفتگو کا مطلب نہیں سمجھی"

شاہ صاحب نے کہا کہ:-

"مائی یہ ہمارے اعضا یعنی ہاتھ، پیر، آنکھ، کان، ناک، دل و دماغ، جگر، پھیپھڑے، تلّی، گُردے، معدہ، پسلیاں اعصاب اور رگیں سب خدا کی دی ہوئی نعمتیں ہیں۔ ان میں سے ایک چیز بھی بے کار نہیں ہے۔ اگر ایک عضو بھی اپنے متعلقہ کام سے باز رہے تو نظام جسمی میں فرق آ جائے۔ زندگی وبال جان ہو جائے۔ ان ہی اعضا کی حرکتوں اور کاموں پر تمہاری زندگی کا مدار ہے اور تم ایسی ناشکری ہو کہ ان کو بے کار رکھنا چاہتی تھیں۔ تم نہیں جانتیں کہ خدا تعالیٰ جس حال میں انسان کو رکھتا ہے وہ اُس کے واسطے بہتر ہوتا ہے۔ تمہاری یہ آرزو کہ کاش میں ایسے مال دار گھر میں پیدا ہوئی ہوتی کہ مجھ کو کوئی کام اپنے ہاتھ سے نہ کرنا پڑتا یہ کیسی بیجا آرزو تھی۔ اور جس بات کو تم نے ہزار منت سماجت سے دعا کر کے خدا سے طلب کی وہی تمہارے حق میں وبال جاں ہو گئی اور چند ہی گھنٹوں میں

گھبرا گئیں اور اپنی نا عاقبت اندیشی اور نا سپاسی کا خمیازہ اُٹھایا۔

تم نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا کہ اکثر دولتمندوں کی صحت کیوں خراب رہتی ہے۔ اور باوجود روپیہ پیسہ اور نوکر چاکر اور ہر طرح کے اسبابِ راحت موجود ہونے کے وہ کیوں تندرستی کی دولت سے محروم ہیں اور محنت مزدوری کرنے والے کیوں خوش اور تندرست نظر آتے ہیں؟

اس کی یہی وجہ ہے کہ وہ آرام طلب ہو جاتے ہیں۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو شانِ امارت کے خلاف اور عیب سمجھتے ہیں حتیٰ کہ بغیر سواری کے قدم ہی نہیں اُٹھاتے۔ چاہے دس ہی قدم کیوں نہ چلنا ہو۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اعضا کی تمام قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں اور دن بہ دن صحت بگڑتی جاتی ہے۔

اے بچو! یاد رکھو کہ خدائے تعالےٰ نے انسان حیوان سب کی بناوٹ اسی اصول پر قائم کی ہے کہ وہ اپنے اعضا اور اعصاب سے کام لیتا رہے۔ خاص کر انسان کو جس کو عقل عنایت ہوئی ہے اس کو تو ایسے اصول کا خیال رکھنا چاہیے۔ اور اس

اصول کو بھی یاد رکھو کہ جسمی محنت کے بعد دماغی محنت اور دماغی محنت کے بعد جسمی محنت انسان سے تکان کو دفع کر دیتی ہے ۔"

ہر ایک کو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ اعضار کی تمثیل مثل کلوں کے ہے جس کو تم روزمرہ دیکھتے ہو۔ اگر کلوں کو بیکار رکھا جائے تو کیا ہوگا وہ زنگ آلودہ ہو کر بیکار ہو جائیں گی۔ ایسا ہی انسان کے اعضا کا حال ہے۔ ان کے بیکار رہنے سے تندرستی خراب ہو جاتی ہے۔ تم کو اس کی نعمتوں پر غور کر کے ہمیشہ شکرگزار رہنا چاہیے اور یہ اعضا جو اس نے تم کو دیے ہیں ان کو بیکار رکھ کر زندگی کے لطف کو برباد نہ کرنا چاہیے۔

تم کو ہمیشہ اس آیۃ کو پیش نظر رکھنا چاہیے تاکہ تم میں قناعت اور صبر پیدا ہو۔

عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ

تم ہر وقت اپنے کام دھندے میں مصروف رہو اوقات پر نماز روزہ ادا کرو۔ انسانوں کی ہمدردی میں سرگرم رہو۔ اپنے سے کمزور مفلس اور حاجت مند کو دیکھ کر خدا کا شکر بجا لاؤ کہ اس نے

تمھاری حالت ان سے بدتر نہیں کی۔ اس کی دی ہوئی نعمتوں کو
جائز طریقہ سے استعمال کرکے ثواب دارین حاصل کرو۔"

غرض ایسی ہی نصیحتوں میں اس کو ایک ہفتہ گزر گیا شہزادی بنّو جو اب اچھی بنّو ہیں بہت نیک اور شکرگزار بن گئیں۔

ان کی نانی کو یہ ہفتہ بڑے تردد اور مصیبت میں گزرا۔ خدا خدا کرکے جمعرات آئی۔ علی الصبح اس نے کہاروں کو بلوا ڈولی میں بیٹھ شاہ صاحب کے منڈوے کی راہ لی اور اشراق کے وقت وہاں پہونچ گئی۔ جاتے ہی نواسی کو دیکھ کر باغ باغ ہوگئی شاہ صاحب کو سلام کرکے شکریہ ادا کیا۔ کچھ روپے اور مٹھائی نذر کو لے گئیں تھیں پیش کرنے لگیں۔

شاہ صاحب نے کہا:-

"مائی اپنی نواسی کو لے جا ہم کو تیری نذر اور مٹھائی کچھ نہیں چاہیے۔"

اس نے بہت اصرار کیا لیکن شاہ صاحب نے کچھ نہیں لیا۔

پھر نانی نواسی دونوں اپنے گھر آئیں۔ محلہ میں یہ بات تو مشہور ہوگئی تھی کہ بنّو گم ہوگئی ہے اب اس کے آنے کی خبر سن کر سب محلے والیاں جمع ہوگئیں

ہنّو کی زبانی قصہ سُن کر سب کو حیرت ہوئی ۔ خوب رت جگے ہوے ۔ محلے والیاں جمع ہوئیں ۔ مراثنیں بلوائی گئیں خوب کھانے پکے ۔ فقرا اور مساکین کو کھلوا ے گئے غرض اس کی نانی نے ایک ہفتہ خوشی منائی ۔ اب تو بی ہنّو نہایت محنتی، شکر گزار نمازی اور پرہیزگار ہو گئیں ۔ سارے محلّے کے لوگ ان سے خوش ہیں اور اپنی اولاد کو اس کا قصہ سُنا کر عبرت دلاتے ہیں ۔

دوسری جلد ختم ہوئی

